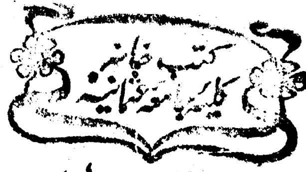
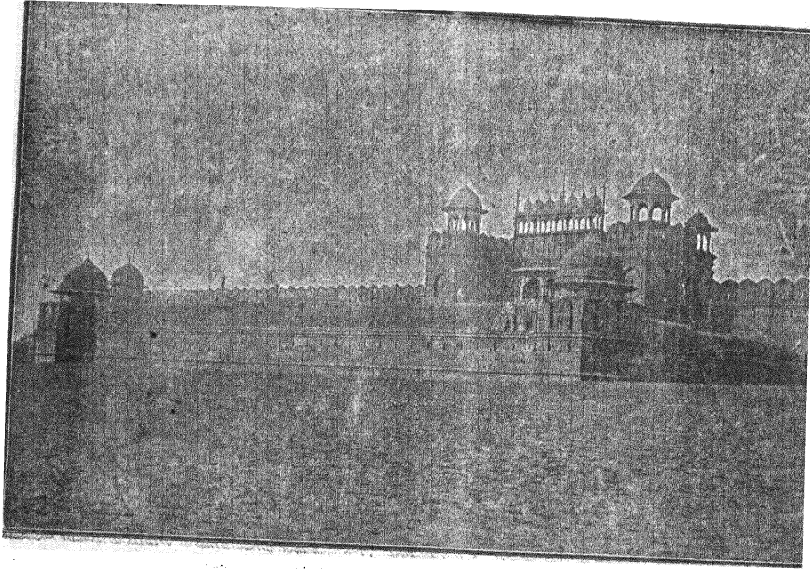


جلد چہارم | بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۴ع | حصہ پانزدہم

اُردو



انجمنِ ترقی اُردو
کا
سہ ماہی رسالہ

فہرست مضامین

ہندوستان کا ڈراما

عہدِ قدیم و جدید

نمبر ۲

(از جناب محمد عمر و نور الٰہی صاحبان)

(سلسلہ کے لیئے ملاحظہ ہو رسالہ نمبر ۱۳ بابتہ ماہ جنوری ۱۹۲۴ء صفحہ ۸۰)

دورِ حاضرہ

گو اس وقت حشر ڈراما اور اس کے متعلقات میں چنداں دلچسپی نہیں لیتے۔ مگر خداوندان اسٹیج انھیں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ ان کے ڈرامے باوجود اپنی پژمردگی کے اب تک اسٹیج کے گلے کا ہار ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اس دنیا کا خیال ہے کہ کسی ڈراما کی کامیابی کا مدار حشر کے تتبع پر ہے اور اس لیئے اب تک انھیں کے طرز کی جھلک اسٹیج پر نظر آتی ہے۔ حشر نے بیتاب کو انھیں کی زمین پر پچھاڑنے کے لیئے اُردو نما ہندی ڈرامے لکھے اور اس کے لیئے ایک پنڈت کی خدمات حاصل کیں۔ اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ اس میدان میں وہ کیسے رہے۔ مگر ان لوگوں کو بھی جو ہندی سے ناآشنا تھے یہی چاٹ لگا گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ زبان خصوصاً نظم کی خوب مٹی خراب ہوئی اور تُک بندوں نے اس گنگا جمنی زبان کی آڑ میں وہ قافیے نکالے کہ سخنداں حضرات انگشت بہ دنداں رہ گئے۔ دوسری طرف اُن اصحاب نے جو سنسکرت میں شُد بُد رکھتے تھے، سنسکرت کے الفاظ جا و بے جا استعمال کر کے ڈراما کی زبان کو ناقابل فہم بنا دیا۔ لاہور کے لالہ کشن چند زیبا اور نانک چند ناز نے متعدد ڈراموں میں اسی طرح طبع آزمائی کی اور ستم یہ توڑا کہ ہندوؤں کی قدیم تہذیب کی بہار دکھانے کی کوشش میں پراہسن اور بہان یا زیادہ سے زیادہ رہس لیلا کے ترجمان بن گئے۔ بس اب کیا تھا ڈراما یا تو فحش ہو گیا یا کرشن لیلا کا آئینہ بردار۔ ہم ان صفحات کو اُردو ہندی کا جھگڑا بنانا نہیں چاہتے مگر ہماری یہ خواہش ضرور ہے کہ یا تو ڈراما اُردو میں لکھا جائے اور یا ہندی میں۔ اور اگر دونوں زبانوں کی ملاوٹ سے کوئی معجون تیار کرنا منظور ہو تو خالص ہندی الفاظ کی حلاوت سے شاد کام کیا جائے۔ مگر سنسکرت کے غیر مانوس الفاظ نہ آنے پائیں اسی طرح عربی اور فارسی کے ایسے الفاظ سے بھی احتراز لازم ہے جو روزمرہ اُردو میں مستعمل نہیں، اور صرف کتابوں ہی میں دیکھے جاتے ہیں۔ یعنی مولویانہ

اُردو اور ہندوستانی ہندی سے ڈراما کو سروکار نہیں ہے۔ خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا۔ ہمارا مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ آج کل کے اکثر ڈرامے اس ملی جلی زبان میں لکھے جاتے ہیں جن میں سنسکرت اور عربی کے غیر مروج الفاظ ڈرامے کے تفہیم میں حائل ہوتے ہیں۔ اور یہ سقم قابلِ اصلاح ہے۔

ہاں منشی رحمت علی صاحب ڈائرکٹر بمبئی پارسی تھیٹریکل کمپنی اور منشی ابراہیم صاحب محشر صرف اُردو میں ڈرامے لکھتے ہیں۔ وہ عوام کو خوش کرنے کا ڈھنگ خوب جانتے ہیں۔ اور منشی رحمت علی صاحب کے ڈرامے دردِ جگر، باوفا قاتل، محبت کا پھول، اور تصویر رحمت جہاں کہیں بھی اسٹیج پر آتے ہیں ڈراما کے بل پر کامیاب رہتے ہیں۔ یہ ہر دو اصحاب بھی حشر کے اسکول سے تعلق رکھتے ہیں۔ اکثر کمپنیاں انھیں ڈراموں کی بدولت چل رہی ہیں۔ اور اسی لیئے ان کے مالک اس قسم کے ڈراموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ تعلیم یافتہ اور ثقاہت پسند اصحاب کے بہت بڑے گروہ نے ان کا عملی مقاطعہ کر رکھا ہے اور اس طبقے کا کوئی فرد ان تماشا گاہوں میں شاذ ہی دیکھنے میں آتا ہے۔ اب بعض مالکوں کی آنکھیں کھلنی شروع ہوئی ہیں اور وہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ انھوں نے اپنے موجودہ طرز عمل سے خود اپنے پاؤں میں کیسی کلہاڑی ماری ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُدبا نے بھی اس صنفِ کلام کی طرف توجہ کی ہے اور اچھے ڈرامے لکھے جانے شروع ہوئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ اُردو کے عالم ڈراما میں ایک عظیم انقلاب آنے والا ہے۔ اور کوئی دن میں فنِ ڈراما اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو حاصل کر لیگا۔ اور اصلاحِ تمدن و سیاسیات پر بحث کرنے کے لیئے وہ ویسا ہی آلہ کار ثابت ہوگا جیسا کہ یورپ میں ہے۔

ڈراما کے اس باب کا افتتاح مولوی عبدالماجد صاحب بی اے مترجم متعدد کتبِ فلسفہ نے اپنے ڈراما "زود پشیماں" سے کیا ہے۔ اور اُنھوں نے اسے اسٹیج کرنے کے خیال سے تصنیف فرمایا ہے۔ اس میں مسئلہ ازدواج پر نئے انداز سے بحث کی گئی ہے۔ گو کسی کو ہماری طرح کے نظریہ سے اتفاق نہ ہو۔ مگر یہ ڈراما تھوڑی سے کتر بیونت کے ساتھ اسٹیج ہونے کی اہلیت ضرور رکھتا ہے۔ افسوس ہے کہ مولانا نے پھر ڈراما کی طرف توجہ نہ فرمائی۔ ورنہ اُن کے قلم سے بہت کچھ اُمید تھی۔ وہ اس کتاب کی تصنیف کو اپنے نام سے منسوب کرنا پسند نہیں فرماتے۔ مگر کسے معلوم ہے کہ تھوڑے عرصے کے بعد اُن کی فلسفیانہ تصنیفات نسیاں کا شکار ہو جائیں اور اُن کی حقیر تصنیف شہرتِ دوام کا باعث ہو۔ رسالہ تحریک لاہور میں اس پر ایک بہت جامع و مانع تنقید شائع ہوئی تھی۔ اُردو میں کسی ڈراما پر اس شرح و بسط

سے بحث اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اِسی زمانہ میں زبان اُردو کے مشہور ادیب اور کہنہ مشق شاعر پنڈت برج موہن صاحب دتاتریہ دہلوی نے "راج دلاری" کے نام سے ایک نہایت دلآویز اور اچھوتا ڈراما لکھا۔ پنجاب یونیورسٹی نے تو اس کی کچھ قدر کی۔ مگر جن کے لیئے وہ لکھا گیا تھا اُن کے کان بھی شاید اس کے نام سے آشنا نہ ہوں کسی قدر ترمیم و تنسیخ کے ساتھ یہ ڈراما بھی اسٹیج کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ "مراری دادا" نامی ایک اور ڈراما آپ کی جدّت طبع کا نتیجہ اور زبانِ اُردو میں سوسائٹی ڈراما کا بہترین نمونہ ہے۔ پنڈت صاحب اب تک ضرور دو ایک ڈراموں سے زبانِ اُردو میں اضافہ کرتے مگر ہمیں خوشی اور افسوس ہے کہ وہ "ہندوستانی ڈراما کا اثر مغربی اسٹیج پر" کے موضوع پر ایک معرکۃ الآرا کتاب کی تصنیف میں مصروف ہیں۔ اور جب تک یہ کتاب اُردو اور انگریزی میں شائع نہ ہو جائے وہ کسی اور طرف توجہ نہیں کرنا چاہتے۔

اِنھیں چند سالوں کی برکات سے لالہ کنور سین صاحب ایم اے بیرسٹرایٹ لا (سابق پرنسپل لا کالج لاہور) چیف جسٹس ہائی کورٹ کشمیر کا ڈراما "برہمانڈ" ہے جس کے تمام کیرکٹر اجرام فلکی ہیں۔ یہ ایک ایسی نرالی اور عجیب چیز ہے کہ ادبیات مغرب بھی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ آپ کا علم و فضل اور ادبیات ڈراما پر عبور کامل مزید زکواۃ کا محتاج ہے۔ اور اُمید ہے کہ آپ ضرور کبھی نہ کبھی اپنے رشحاتِ قلم سے اس خزاں رسیدہ چمن کی آبیاری کرینگے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ تمام ڈرامے اربابِ اسٹیج کی نگاہِ لطف کے اُمیدوار ہیں۔ مگر چھپ گئے ہیں۔ رسالہ زبان کے نامور اڈیٹر جناب مائل دہلوی نے چندرگپت۔ تیغ ستم دو ڈرامے لکھے ہیں جو بہت مقبول ہوئے ہیں۔

حکیم احمد شجاع صاحب بی اے اسسٹنٹ سکرٹری لیجسلیٹو کونسل پنجاب و اڈیٹر رسالہ ہزار داستان لاہور اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود فن ڈراما کے اصلاح کے لیئے قابل ستائش سعی سے کام لیتے ہیں۔ آپ کا ڈراما "باپ کا گناہ" جنوری ۱۹۲۳ء میں الگزنڈرا تھیٹر نے بمقام لاہور اسٹیج کیا۔ اس ڈراما میں بھی دو پلاٹ ایک ساتھ اسٹیج پر آئے۔ یہ ڈراما چھپ گیا ہے۔ رسالہ تحریک لاہور نے اس پر بھی از بس بسیط تنقید شائع کی۔ اور فن کے بہت سے رموز پر بہت خوبی سے روشنی ڈالی۔ آپ کا دوسرا ڈراما "بھارت کا لال" جو ہندی آمیز اُردو میں ہے حال میں اسٹیج ہوا ہے۔ آپ نے دو اور ڈرامے "آخری فرعون" اور "جاں باز" بھی لکھے ہیں۔ حکیم صاحب کا خیال ہے کہ اسٹیج ہونے کے بعد

انھیں چھپوایا جائے۔ اس کے علاوہ آپ تین بنگالی ڈراموں یعنی منتوش منیا اور تارا کو اُردو لباس پہنا چکے ہیں۔ مگر یہ کوئی ایسی قابل قدر چیزیں نہیں۔ حکیم صاحب کی میانہ رو مصلحت اندیشی انھیں طرزِ حشر اور روشِ جدید کے بین بین چلا رہی ہے۔ لیکن آپ کے ہم وطن اور ہم نوا امیر امتیاز علی صاحب تاج بی اے پامال طرز کو خیرباد کہہ کر اصول اور فن کے لحاظ سے ڈرامے لکھنے میں مشغول ہیں اُن کا ڈراما "انارکلی" سوز و گداز سے لبریز ہے۔ یہ ڈراما روزمرّہ اُردو میں اس خوش اسلوبی سے لکھا گیا ہے کہ اکبر اور جہانگیر کی محفلیں اور حرم سرائے شاہی کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے تھیٹروں کے مالک اس ڈراما کی طرف للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دیکھئے اسے اسٹیج کرنے کا سہرا کس کے سر رہتا ہے۔ آپ کا ایک اور ڈراما "دلھن" بھی تیار ہے۔ جو ہندوستان کے ایک تاریخی واقعہ پر مبنی ہے اور اچھا ہی نہیں بلکہ بہت اچھا ہے۔ آج کل آپ ریسائن کے ڈراما "سکندر اعظم" کو پورس کے نام سے اُردو میں منتقل کر رہے ہیں یہ ڈرامے ابھی طبع نہیں ہوئے (Recine.)

دورِ گزشتہ میں تسخیرِ فرانس کا ذکر خیر ہو چکا ہے۔ ۱۹۲۳ء میں سید تفضل حسین صاحب ناثر نے شکسپیر کے ایک اور ڈراما موسومہ "جولیس سیزر" کو اُردو زبان کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ مگر اس خوبصورتی سے کہ کوئی نقش ماند نہیں ہونے پایا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا خود شکسپیر اُردو میں اپنے خیالات رواں رواں بیان کر رہا ہے۔ مگر افسوس کہ اسٹیج اس کاوش سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

اسی سال جہاں استاد شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد مغفور کا ناتمام ڈراما "اکبر" حکیم ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی کے ڈرامہ نگاری سے ناآشنا قلم نے مکمّل کیا اور نقادوں کی چیخ و پکار سے سارا پنجاب گونج اُٹھا۔ "شبابِ اُردو" اور "ہزار داستان" میں اس کی خامیوں کا بہت چرچا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کو ڈراما نہیں کہہ سکتے۔

اسی دَور میں چند پولیٹکل ڈرامے بھی لکھے گئے۔ جن میں سے "زخمی پنجاب" (کشن چند زیبا) محض ضبط ہونے کے باعث انگشت نما ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس ضبطی نے ہی جناب زیبا کو بانس پر چڑھا دیا ہے۔ ڈراما "بیداری" جو رسالہ "تحریک" لاہور کے فاضل اڈیٹر حکیم اظہر صاحب دہلوی کی جولانیِ طبع کا نتیجہ ہے ادبی اور علمی لحاظ سے بہت بلند پایہ چیز ہے۔ مگر اس کا کیا علاج کہ حکیم صاحب نے ڈراما تو لکھا مگر اسٹیج میں بہت کم دلچسپی لی جس کے اثر "بیداری"

میں جا بجا نمایاں ہیں۔

۲۶ر فروری ۱۹۲۴ء کو سید لاور شاہ صاحب کو میڈین الگزینڈرا تھیٹریکل کمپنی کا ڈراما "پنجاب میل" راما تھیٹر دہلی میں اسٹیج ہوا اور کامیاب رہا۔ عامیانہ مذاق کی چیز ہے مگر ڈراما کا عنصر اس میں کافی و وافی ہے اور یہی اس کی کامیابی کا باعث ہے۔

یکم مارچ ۱۹۲۴ء کو پنجاب کے مشہور ادیب، کہنہ مشق شاعر اور پُرنویس ناول نگار منشی احمد حسین خاں صاحب بی اے اڈیٹر "شباب اُردو" لاہور کا ڈراما "حُسن کا بازار" گلوب تھیٹر میں اسٹیج ہوا۔ پہلا ڈراما تھا۔ اُمید کہ آیندہ ڈراما زیادہ کامیاب ہوگا۔ منشی صاحب جیسے قادر الکلام بزرگ کا ڈرامے کی طرف متوجہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس فن کے دن پھرنے والے ہیں۔

مصوّرِ فطرت ادیب المشایخ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب نے بھی ڈراما کی طرف نظرِ عنایت کی ہے۔ اور جیسا کہ ایک اشتہار سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ کا ڈراما "چراغِ راہ" آج کل زیرِ طبع ہے۔ جہانِ اُردو اس کے لیے چشم براہ ہے۔ خواجہ صاحب ڈراما کے پُرانے نقّاد ہیں اور اس لیئے یہ اُمید رکھنا عبث نہیں کہ وہ جو کچھ لکھینگے ڈرامیت میں ڈوب کر لکھیں گے۔

ہم بے کمالوں کا اس محفلِ کمال میں کہاں گزر، لیکن محض اس لیئے کہ اوروں کو تحریک ہو، ہم نے ڈراما پر قلم اُٹھایا اور مندرجۂ ذیل ڈرامے ترجمہ، تالیف اور تصنیف کیئے ہیں۔

(۱) روحِ سیاست۔ ابراہام لنکن کی زندگی کے جستہ جستہ واقعات ہیں۔ اُردو میں پہلا ایپی سوڈک (Episodic) ڈراما ہے۔ (ترجمہ)

(۲) جانِ ظرافت۔ مولیر۔ لینگ، آغا جعفر کے ڈراموں سے ماخوذ ہے۔ ایک بخیل کے کارنامے تفننِ طبع کے لیئے قلم بند کیئے گئے ہیں۔ (تالیف)

(۳) قزّاق۔ شلر کے ایک ڈرامہ سے لیا گیا ہے (ترجمہ و تالیف)

(۴) بگڑے دل۔ مولیر کے ایک کومیڈی کا ترجمہ

(۵) ظفر کی موت۔ میٹرلنک کے ایک ڈرامے کا ترجمہ

یہ سب کے سب طبع ہو چکے ہیں۔ مندرجہ ذیل ڈرامے تیار ہیں۔ مگر اشاعت کا سوال تمثیل ہونے کے بعد طے ہوگا۔

(۱) سپوت۔ مغربی و مشرقی تہذیب کا تصادم (طبع زاد)

(۲) گڑبڑ جھالا۔ محض ہنسنے ہنسانے کی چیز ہے (تالیف)

(۳) آبیل مجھے مار۔ یہ بھی فارس ہے (طبع زاد)

تھیٹر وغیرہ تھیٹروں کے لباس اور سینری کی وہی حالت ہے جو بالی والا اور کاؤس جی کے زمانہ میں تھی فرق اتنا ہے کہ پہلے صاف ستھرے اُجلے اور نئے لباس ہوا کرتے تھے۔ اب ذرا بوسیدہ اور میلے کچیلے ہوتے ہیں۔ کاؤس جی نے اللہ دین کے ڈرامے میں سب لباس چینی رکھے تھے۔ اور مہابھارت میں ہندوستانی مگر اور ڈراموں میں ہندوستانی کیرکٹر بھی رومن لباس میں جلوہ گر ہوا کرتے تھے۔ یہی حالت اب بھی ہے۔ اور اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ اسٹیج نے پندرہ سال کے عرصہ میں کوئی ترقی نہیں کی۔ یہی حال سینری کا ہے۔

آج کل کی مشہور کمپنیاں یہ ہیں:۔

(۱) الفنسٹن تھیٹر کلکتہ مسٹر مدن آنجہانی نے الفریڈ تھیٹر کی بنیادوں پر یہ تھیٹر قایم کیا تھا۔ اب بھی ہے۔ مگر وہ شان نہیں۔

(۲) بیکانیر جودھپور تھیٹر بمبئی۔ یہ کمپنی بالعموم پولیٹکل ڈرامے کرتی ہے۔

(۳) الگزنڈرا کمپنی۔ یہ کمپنی جیب سیٹھ کی قایم کردہ ہے اور مختلف شہروں میں کام کرتی ہے۔

(۴) البرٹ تھیٹر۔ پنجاب کی مشہور کمپنی ہے۔ اور عرصہ دراز سے قایم ہے۔ یہ بھی مختلف شہروں میں دورے کیا کرتی ہے۔ (اب ٹوٹ گئی ہے اور اس کے کھنڈروں پر نئی کمپنی تیار ہو رہی ہے)۔

(۵) سیاکل کمپنی۔ میرٹھ کے چند باہمت اصحاب نے اشتراک عمل سے یہ کمپنی قایم کی تھی۔ اس نے بڑا عروج پایا۔ اور ہندوستان کی چوٹی کی کمپنی ہو گئی۔ مگر اپنے جادو بیان ایکٹر علی اطہر کی علحدگی کے ساتھ سب شان رخصت ہو گئی۔ اور اب تنِ بے جان سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ علی اطہر ہندوستان کے پہلے ایکٹر ہیں۔ جنھوں نے ایکٹری کے پیشہ کا رتبہ بلند کرنے کی کوشش کی ہے۔ بے عیب چلن کے ساتھ دیانت و صیانت طبیعت کا اصلی جوہر ہے۔ فن ایکٹری میں وہ کمال حاصل ہے کہ یورپ کے ایکٹر دیکھنے والے بھی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے حقیقت یہ ہے کہ اُنھوں نے نفسیات ڈراما کا ایسا عمیق مطالعہ کیا ہے کہ ہر جذبۂ قلب ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح اُن کی

آنکھوں کے روبرو آجاتا ہے۔ مائل صاحب نے اسی کمپنی کے لیے ڈرامے لکھے تھے۔

(۶) گلوب تھیٹر۔ یہ تھیٹر حال میں لاہور میں قایم ہوا ہے۔ اُٹھان اچھی ہے۔ خدا نظرِ بد سے بچائے۔ سینری، سامان اور ایکٹر اچھے ہیں مگر ڈرامے پرانے اور پامال ہیں۔

(۷) سہراب جی کی نیو الفریڈ تھیٹریکل کمپنی پھر میدان میں آتی ہے گو سہراب جی کے لیے آنکھیں ترستی ہیں مگر پھر بھی اس کمپنی نے اپنی قدیم روایات اور شان کو بہت حد تک قائم رکھا ہے۔ اِس کمپنی کا یہی کارنامہ کافی ہے کہ جنابِ احسن کو کنجِ عزلت سے کھینچ لائی ہے اور مدّت کے بعد ان کا نیا ڈراما سٹیج پر آیا ہے۔ دہلی میں اس ڈراما یعنی "چلتا پرزا" کی بہت دھوم ہے۔ خدا کرے کہ یہ نیا ڈراما ایک باقاعدہ سلسلہ کی تمہید ہو اور زبان اُردو ڈراموں سے مالا مال ہو جائے۔

سنما کا اثر تھیٹر پر اسٹیج پر سنما کا حملہ ایک بے پناہ وار تھا۔ جس نے دنیا بھر میں اسٹیج کی رونق کو ماند کر دیا اور ہر شخص سنما کا کلمہ پڑھنے لگا۔ ہندوستان بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا اور سنما کمپنیوں کی کثرت نے اس کی فتح اور تھیٹر کی شکست کا اعلان کر دیا۔ سنما درحقیقت ذلیل ترین صنف ڈراما "پینٹومائم" کی ایک صورت ہے جس میں ادبیات کو بہت کم درخور ہے۔ اِس نمائش کا تعلق فقط آنکھ سے ہے۔ کانوں کی تواضع اس کے دائرہ عمل سے باہر ہے۔ سنما کا دار و مدار سنسنی پیدا کرنے والے واقعات کی نمائش پر ہے۔ اور اس لیئے اسے مدت سے مخربِ اخلاق اور مویدِ جرائم خیال کیا جاتا ہے۔ یہی اسباب ہیں جن کے باعث سنما نہ صرف یورپ میں بلکہ ہندوستان میں بھی انقباضِ خاطر پیدا کر رہا ہے۔ اور لوگ پھر تھیٹر کی آرزو کرنے لگے ہیں۔

ہندی ڈراما

کچھ مدّت سے ہندی ڈراما کو عروج حاصل ہوا ہے۔ لیکن اس عروج میں زوال کی جھلک نظر آتی ہے۔ بیشتر ڈرامے قریبًا وہی ہیں جنھیں نقّادانِ فن مذموم خیال کرتے ہیں۔ یا ان کی دوسری شکل میں کسی موجودہ ڈراما نگار نے نئے الفاظ میں پیش کیا ہے۔ اس قلب ہیئت میں بڑا حصّہ جناب حشر کا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ حشر نے اعلیٰ زبان کا التزام رکھا ہے۔ لیکن اس سے جرمی معائب اور نمایاں ہو گئے ہیں۔ سوریہ دھوج تھیٹریکل کمپنی صرف ہندی ڈراما

ہی کرتے ہیں۔ اور مختلف راجگانِ ہند اس کی بڑی دریا دلی سے سرپرستی کرتے ہیں۔ یہ کمپنی گویا ہندی ڈراما کی نمائندہ ہے۔ اِس کمپنی کے مشہور تماشے حسب ذیل ہیں :-

(۱) شراون کمار۔

یہ ڈراما اس روائیت پر مبنی ہے کہ شراون نامی ایک شخص کے والدین اندھے تھے۔ ایک رشی نے اسے کہا کہ ان کی مکتی ۶۸ تیرتھوں کی جاترا پر منحصر ہے۔ چنانچہ وہ انھیں بہنگی میں ڈال کر ہر ایک تیرتھ پر لے جاتا ہے اور سب تیرتھوں کا جاترا کراتا ہے۔ آخر مہاراجہ دسرتھ کی غلطی سے تیر کا نشانہ بنتا ہے اور مرجاتا ہے۔ اس کے والدین دسرتھ کو پتر ویوگ کا سراپ دیتے ہیں۔ اور ڈراما ختم ہو جاتا ہے۔ یہ روائیت رامائن کا سنگِ بنیاد ہے۔

ڈراما کا عنصر مفقود ہے اور قطع نظر مذہبی تقدس کے فن کی کوئی خوبی موجود نہیں۔

(۲) ستیاواں ساوتری۔

ساوتری کے خاوند کو سانپ ڈس لیتا ہے۔ یم اس کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے۔ ساوتری آہ وزاری کرتی ہے۔ یم کہتا ہے کہ جو شخص ایک دفعہ مرجائے اسے برہما بھی زندہ نہیں کرسکتا۔ ساوتری کہتی ہے کہ اگر یہ زندہ نہیں ہوسکتا تو وہ بھی یم کے ساتھ جانے کو تیار ہے۔ یم اس کی بھگتی سے مسرور ہو کر اسے کہتا ہے کہ جو چاہو مانگو۔ چنانچہ وہ چار خواہشوں کا اظہار کرتی ہے جن میں سے آخری یہ ہے کہ اس کے خاوند کے صلب سے اس کے یہاں ایک سو لڑکا پیدا ہو۔ یم مان لیتے ہیں۔ اور ساوتری کا خاوند زندہ ہو جاتا ہے۔

(۳) بلوا منگل۔

اکبر کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ حشر نے اس ڈراما کو از سرِ نو ہندی میں لکھا ہے اور اس کا پایہ بہت بلند کر دیا ہے اس میں پہلے ڈراموں کی نسبت پلاٹ کسی قدر اچھا ہے۔ مگر اُن باتوں کو دل ترستا رہ جاتا ہے۔ جو ڈراما کی جان ہیں۔

(۴) پریم بندھن۔

ایک عامیانہ عشقیہ قصّے کو مذہبی تقدس کا رنگ دینے کی کوشش کی ہے۔ اردو اشعار اور نثر سے مالا مال ہے پلاٹ بہت کمزور ہے اور عنصرِ ڈراما بہت کم ہے۔

(۵) بالکرشن -

کرشن مہاراج کی ابتدائی زندگی کے حالات ہیں - ڈراما کا عنصر کہیں کہیں پیدا ہو گیا ہے یہ اچھا خاصہ راس منڈلی ہے -

(۶) دان ویر کرن -

مہا بھارت سے ایک روایت لیکر ڈراما کا ڈھانچہ کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے - کرشن کے اعجاز، مہا بھارت کی جنگ کے نظارے اور اسی قسم کی باتیں ہیں جن میں ڈراما کا عنصر بہت کم ہے - پلاٹ سپاٹ، زبان بھدّی اور مکالمہ کی نسبت عالم تنہائی کی گفتگو کی کثرت ہے جس نے ڈراما کو تہس نہس کر ڈالا ہے - اس ڈراما کا خون جناب کشن چند زیبا لاہوری کے سر ہے -

(۷) گنگا اُترن -

دریائے گنگا کی نسبت روایت ہے کہ برہما نے اسے شیوجی کی جٹاؤں میں چھپا دیا تھا اور راجہ بھاگیرتھی کی تپسیا کے طفیل وہاں سے جاری ہوا - اس میں نہ تو پلاٹ ہے اور نہ ڈراما کا عنصر - یہی روایت سٹیج کی گئی ہے - ان تمام ڈراموں کی کمزوریوں کو دھرم کے پردے میں چھپانے کی کوشش کی گئی ہے خوش اعتقاد لوگ مذہبی باتوں پر موہت ہو جاتے ہیں اور ڈراما کی پروا نہیں کرتے - فن کے لحاظ سے یہ ڈرامے بہت کم مایہ ہیں -

اِن کے علاوہ ہریش چندر بنارسی نے معقول ڈرامے ہندی میں لکھے ہیں - لیکن ہمارے دیکھنے میں نہیں آئے بہرصورت ہندی ڈراما بہت کچھ اصلاح کا محتاج ہے اور بنگالی یاترا کی صدائے بازگشت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا -

بنگالی ڈراما

بنگالی میں یاترا ڈراما کا مترادف خیال کیا جاتا ہے - یہ لفظ "یا" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "جانا" ہیں - یاترا کے معنی یہ ہیں

(۱) جانا - سفر کرنا مثلاً اش یاترا - گھر سے علی الصبح نکلنا - مہا یاترا سفرِ عدم - گیا یاترا گیا کے درشنوں

کوجانا۔

(۲) جلوس۔ مثلاً ڈولا یاترا جنم اشٹمی یاترا۔ اور راس یاترا۔ یہ تمام مذہبی جلوس کرشن مہاراج کی حیات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور سال میں تین بار موسم بہار۔ برسات، اور خزاں میں نکلتے ہیں۔

(۳) وہ مقبول عام صنف ڈراما جو ابتدا میں مذکورہ بالا تین مذہبی تیوہاروں کے متعلق دکھائی جاتی تھی، لیکن بعد میں اس کا اطلاق عام ڈراما پر ہو گیا۔ لیکن یہ عام ڈراما بھی رام اور کرشن کی سوانح حیات اور مہابھارت کی روایتوں کی نمائش تک محدود رہی۔ مگر ان کی نمائش موسموں کی قید سے آزاد رہی۔ اور یہ ہر وقت ہوتے رہتے ہیں۔

حسب ذیل یاترا بہت مشہور ہیں۔ اور بنگال میں ہر زمان کی نمائش ہوتی ہے۔

(۱) سپنا ولاس یاترا۔ (جسودھا اور رادھا کا خواب میں کرشن کو دیکھنا ۱۸۷۲ء میں چھپا)

(۲) دیون مدھ یاترا۔ (رادھا کی محبت ۱۸۷۳ء میں چھپا)

(۳) ومیس شرولاس یاترا۔ (رادھا اور کرشن کی رنگ رلیاں) ۱۸۷۴ء میں خود مصنف نے شائع کیا۔

(۴) رام ون ولاس یاترا۔ (مہاراجہ رام چندر جی کی جلاوطنی)

(۵) سیتا ون ولاس یاترا۔ (سیتا جی کی جلاوطنی)

(۶) سیتا ہرن یاترا۔ (سیتا جی کا اغوا)

(۷) راون ودیا ترا۔ (راون کی ہلاکت)

(۸) کوروچھتر یاترا۔ (کوروچھتر کی جنگ)

مذکورہ بالا یاتروں میں سے پہلے تین کا تعلق مہاراج کرشن کے بچپن، شباب، اور عشق و محبت کے واقعات سے ہے۔ ان کا مصنف سری کرشن کمالا گوسوامی ہے۔ جو ۱۸۸۲ء میں ڈھاکہ میں مقیم تھا اور پیشوائے مذہب ہونے کے باعث اس کی وہاں بہت تعظیم و تکریم کی جاتی تھی۔ سری کرشن کمالا وشنومت کا پیرو تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ کرشن لیلا کا بہت شائق ہے کیونکہ پیروان وشنومت یاتروں میں اوتاروں کے خصوصاً کرشن، رام، چیتنایا، گوردھری کے کارنامے اور معجزات بیان کرنے سے سیر نہیں ہوتے۔ پرستاران شو بھی یاترا سے محفل آرائی میں پیروان وشنو سے

پیچھے نہ رہے راج سو یگ اسی قبیل کی مشہور یاترا ہے۔ ان یاتروں میں اِن باتوں کی نمائش سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ جن سے ان کے دیوتا کی شان میں فرق آتا ہو۔ اور یہی وجہ ان کے علیحدہ یاترا تصنیف کرنے کی ہے۔ سری کرشن کمالا گوسوامی نے مذکورہ بالا سینا ولاس یاترا ایک اور مصنف کی مدد سے لکھا۔ لیکن دیون مدیاترا اور وسیی نٹر ولاس یاترا صرف اسی کی تصنیف ہیں۔ آخر الذکر یاترا ایک دیباچہ کے ساتھ شائع ہوا جس میں بہت سے مفید معلومات پائے جاتے ہیں اور ہم اس کا ترجمہ درج ذیل کرنا ضروری خیال کرتے ہیں۔

"آج کل کے تعلیم یافتہ اصحاب بلاشبہ رامائن، مہابھارت کے مضامین پر ڈرامے لکھتے اور اسٹیج کرتے ہیں۔ بلکہ بعض پلاٹ خود اُن کے طبع زاد ہوتے ہیں۔ لیکن ان نمائشوں سے معدودے چند لوگ بہرہ اندوز ہوسکتے ہیں کیونکہ ان کا دیکھنا معمولی لوگوں کی بساط سے باہر ہے۔ اور اگرچہ یاترا کا دیکھنا سستا ہے۔ تاہم یہ نمائش ارباب ذوق کے لیئے ازبس ناخوشگوار ہے۔ کیونکہ جاہل ایکٹر جو انھیں اسٹیج کرتے ہیں جاہل تماشائیوں کو خوش کرنے کے لیئے اصلی کہانی سے دُور نکل جاتے ہیں۔ فحش فقرے بے محل استعمال کرنے پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ نہایت بھونڈے حرکات و سکنات سے کام لیتے ہیں۔ اور ایسے ملبوسات پہنتے ہیں کہ طبیعت متعفن ہوجاتی ہے۔ بنابریں پبلک کے واسطے بےضرر تفریح کا اہتمام کرنے کے لیئے میں نے ۱۴ سال ہوئے ۱۸۶۰ء میں دو یاترا، سینا ولاس، دیو یون مد تصنیف کیئے تھے جو دراٹ نگر میں کرشن مہاراج کی عشقبازی کے حالات پر مبنی ہیں۔ ان میں زیادہ تر گائن ہیں۔ یہ ہر دو یاترا کیئے گئے۔ اور بعد ازاں مورا پور کے نامی گرامی زمیندار بابو اسا چندر اور عادل پور و اکرام پور واقع ڈھاکہ کے شرفا کی متحدہ کوشش سے شائع ہوئے۔ اس امر سے کہ چند دنوں میں ان کتابوں کی ۲۰ ہزار جلدیں فروخت ہوئیں، میں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ پبلک نے ان کے مطالعہ سے مسرت حاصل کی۔ ڈھاکہ کی متمول اور قابل احترام سوسائٹی کی حوصلہ افزائی نے جو اصحاب کہ موسیقی کے قدرشناس ہیں، تحریک کی میں ڈراما تیار کروں جسے میں نے ۱۸۷۲ء میں ختم کیا اور گونڈہ کے تعلیم یافتہ برہمنوں نے اسٹیج کیا۔ چند احباب کے مشورہ سے اب میں اسے دنیا کے روبرو پیش کرتا ہوں۔ اگر سینا ولاس اور دیو یون مد کی طرح قدر دانانِ ڈراما اور سرپرستان موسیقی نے اسے پسند کیا۔ تو میں سمجھونگا کہ میری محنت سپھل ہوئی۔"

اس دیباچہ سے مندرجۂ ذیل اہم امور واضح ہوتے ہیں۔

(اوّل)۔ بنگال کا تعلیم یافتہ طبقہ قدیم سنسکرت ڈراما نگاروں کی طرح رامائن اور مہابھارت کی کہانیوں کے ڈرامے لکھتا ہے اور انھیں تمثیل کرتا ہے۔ لیکن سنسکرت کے ڈراموں کی طرح ان کی زبان بہت بلند ہوتی ہے اور عام لوگ اُسے نہیں سمجھ سکتے۔

(دوم)۔ مذاقِ سلیم یاترا کی نمایش کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مضمون کے باعث نہیں کہ ان میں کرشن مہاراج کی مقدس زندگی کا ذکر ہوتا ہے۔ بلکہ حیا سوز ملبوسات اور فحش زبان تکدرِ خاطر کا باعث ہوتی ہے۔

(سوم)۔ سری کرشن کمالا گوسوامی کی مصلحانہ کوششوں کو اہلِ بنگال نے بہ نظرِ استحسان دیکھا۔ سنسکرت ڈراموں کی طرح یہ تینوں یاترا پورورنگ (تمہید) سے شروع ہوتے ہیں اور بریستاونہ (خاتمہ) پر ختم ہوتے ہیں۔ تمہید ناندی سے شروع ہوتی ہے۔ جسے بنگال میں منگل گیتم (ہندی منگل چرن) کہتے ہیں جس میں مصنف اپنے دیوتا سے کامیابی کی التجا کرتا ہے۔ ان یاتروں میں چتینیا یا گروہری سے تخاطب کیا گیا ہے۔ جو ۱۴۸۵ء و ۱۵۳۳ء کے مابین وشنو کا آخری اوتار ہے اور موضع نودیپ مغربی بنگال میں ظاہر ہوا تھا۔ منگل گیتم کے بعد ادھیکاری (سوتر دھار) نہ صرف یاترا کا پلاٹ بتاتا ہے بلکہ ان واقعات کا ذکر کرتا ہے۔ جو کہانی میں یاترا سے قبل ظہور میں آتے۔ تماشائیوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اور انھیں اشیرباد دی جاتی ہے۔ مگر اب بنگالی ڈراما نگار ان اُصولوں کی چنداں پیروی نہیں کرتے ان یاتروں کی تمہید مکالمہ میں نہیں۔ بلکہ صرف ادھیکاری آ کر بیان کرتا ہے۔ اس لیئے مغربی ڈراما کی پرولوگ کے مترادف ہے۔ یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ جرمنی کے برگزیدہ ڈراما نگار گوئٹے نے اپنے غیر فانی ڈراما "فورٹ" کی پرولوگ شکنتلا کے پرولوگ سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔ ناندی کو تمام ایکٹر اکٹھے ہو کر گاتے ہیں یا ادھیکاری تن واحد اسے سرانجام دیتا ہے۔ اس کے بعد ڈراما شروع ہوتا ہے لیکن مغربی ایکٹر قدیم ہندوستانی ڈراموں کی طرح ایکٹ یا سینوں پر تقسیم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ایک ہی جگہ پر ہوتا چلا آتا ہے۔ چونکہ یاترا کی نمائش میں سالم دن لگتا ہے۔ یعنی صبح سے شام ہو جاتی ہے اس لیئے ایکٹر کم از کم دن میں ایک دفعہ سستانے کے لیئے کھیل بند کر دیتے ہیں۔ اور مشتاق ہجوم کو مصروف رکھنا بھی لازم ہوتا ہے اس لیئے چند اشخاص عجیب لباس پہنے اور مضحکہ خیز شکلیں بنائے آتے ہیں۔ اور سوقیانہ لطیفوں سے حاضرین کا دل بہلاتے ہیں۔

سنسکرت ڈراموں کے بدوشک کی طرح یاترا میں کوئی مستقل مسخرہ نہیں ہوتا۔ اس کمی کو رادھا کی سکھیاں (سہیلیاں) پورا کرتی ہیں۔ ان کا ہدفِ مذاق کبجی (کبڑی) ہوتی ہے جس کے ساتھ کرشن نے متھرا کی سکونت کے ایام میں کنس کو مارنے کے بعد شادی کی تھی۔ کنس کرشن مہاراج کا ماموں اور متھرا کا راجہ تھا شاید بچاری کبجی ایسی بدشکل نہ ہو جیسی کہ بیان کی جاتی ہے اس کی سب سے بڑی خطا یہی تھی کہ وہ رادھا کی رقیب تھی۔ اور اس نے کرشن مہاراج کو اپنی شعبدہ بازیوں سے دیر تک متھرا میں ٹھیرائے رکھا۔ کبجی کے علاوہ رادھا کی نندیں جٹل اور کٹل کی بھی ہنسی اُڑائی جاتی ہے۔ روایت ہے کہ رادھا کی کسی کے ساتھ منگنی ہوئی تھی۔ جو بعد میں کم سن لڑکا ثابت ہوا۔ جٹل اور کٹل اس کی بہنیں تھیں۔ اور رادھا کے حسن اور زیبائی سے جلتی تھیں اس لیے رادھا میں طرح طرح کے نقص نکالا کرتی تھیں۔ رادھا کا چھپ چھپ کر گوکل میں کرشن مہاراج کے پاس پہونچنا اس چرچے کے لیے کافی تھا۔ مگر ان کی ہر بات آخر میں غلط ثابت ہوتی ہے۔ اور وہ مضحکہ خیز بن جاتی ہیں۔

ان یاتروں کے ہیرو کرشن مہاراج ہیں۔ رادھا ہیروئن ہے کنس (villain) بدمعاش اور وہ گویا دیگر ارکان ڈراما ہیں۔ زبان میں عوام کی سمجھ کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ اور ایسی ہوتی ہے جسے جاہل سے جاہل بھی سمجھ سکے۔ یاترا ادھکاری کا تمام سامان ایک چھوٹے سے صندوق میں سما سکتا ہے۔ یہ سامان گوالوں کے چند کپڑوں، ڈاڑھیوں بالوں اور ڈنڈوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ مکالمہ زیادہ تر گانوں میں ہوتا ہے۔ یاترا رنگ بھومی (اسٹیج) میں صرف ایک پردہ ہوتا ہے۔ جو رسی کے ذریعہ ایک طرف سے دوسری طرف کھینچا جاتا ہے۔ عورتوں کو اس کمپنی میں نہیں رکھا جاتا۔ لڑکے عورتوں کا بھروپ بھر کے کام کرتے ہیں۔ یہ تماشے نٹ مندر میں ہوتے ہیں۔ جو ہر باحیثیت شخص کے گھر میں بنا ہوتا ہے۔ کمپنیاں شہر بشہر پھرتی ہیں۔ اور انھیں یاترا والا یا ادھیکاری کہتے ہیں۔ دیہات میں یہ تماشے کھلی ہوا میں کیئے جاتے ہیں۔ یاترا کی کیفیت وہی ہے جو یورپ میں اخلاقی اور معجزانہ ڈراما کی اور ممالک متحدہ و پنجاب میں رہس کی ہے۔ مگر قدامت کے لحاظ سے یاترا کا پایہ مغربی معجزانہ ڈراموں سے بہت بلند ہے کیونکہ محققین نے ۲ صدی قبل مسیح ان کا ہندوستان میں پایا جانا تسلیم کیا ہے۔ یاترا نے جب ترقی کے میدان میں قدم رکھا تو ناٹک کے سر منزل پر پہنچ کر دم لیا۔ مگر اصلی رنگ الگ رہا۔ موجودہ ہندی ڈراما یاترا کے بالکل مشابہ ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ ہندی ڈراموں کی نمائش سین سینری اور پردوں کی امداد سے کی جاتی ہے۔ اور یاترا ان لوازم سے اب بھی مستغنی

ہے۔ مگر دونوں خرقِ عادت واقعات کی نمائش میں نمایاں حصہ لیتے ہیں۔

گویا ترا کا بازار آج بھی پہلے کی طرح گرم ہے۔ مگر مغربی تعلیم و تہذیب کے اثر سے بنگال نے ٹھیٹ ڈراما نگاری میں وہ ترقی کی ہے کہ ہندوستان کا کوئی اور صوبہ ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ بنگال کی تمام پولیٹکل اور سوشل تحریکوں کا منبع پریس، پلیٹ فارم اور تھیٹر ہے اور ان میں سب سے بڑا حصہ تھیٹر کا ہے۔ ان ڈراموں سے خلاف فطرت واقعات اور معجز نمائی رخصت ہوچکی ہے۔ اوتار۔ دیوتا۔ راکھش اور اپسرا ان میں نظر نہیں آتیں۔ زرق برق ملبوسات کی جگہ کیرکٹر کے مناسب حال پوشاک کا رواج عام ہے۔ بنگال میں تاریخی ڈرامے کثرت سے ہیں۔ مگر ان میں مسلمانوں کو بہت جلی کٹی سنائی جاتی ہے۔ اور طرح طرح کے عیب ان سے منسوب کئے گئے ہیں اس طرز نوی کے بانی بنگال کے مشہور ادیب بابو بنکم چندر چٹرجی ہیں جن کے اس وقت سیکڑوں مقلد بنگال میں ڈرامے لکھ رہے ہیں۔ اسی قبیل کا ایک ڈراما "شاہجہاں" ہے جس میں عالمگیر کی ذات پر بہت رکیک حملے کئے گئے ہیں۔ لیکن "دیولا دیوی" میں خضر خان کی تعریف و توصیف میں بہت فراخ دلی دکھاتی ہے مگر علاء الدین پر بہت بہتان باندھے ہیں۔ غرضے کہ ادبا بنگال نے اسٹیج کے ذریعہ ہر بنگالی کو اُس تاریخ سے روشناس کردیا ہے جو خاص ان کی نقطۂ نگاہ کے مطابق ہے۔

سوشل ڈراموں نے بنگال کے تمدن کی کایا پلٹ دی ہے۔ کم سنی کی شادی، شادی بیوگان، تعلیم نسواں مراسمِ قبیحہ، ذات پات، غرضے کہ تمدن و معاشرت کے ہر شعبہ پر نہایت خوب صورتی سے بحث کی ہے۔ خطاب کے پیچھے مارے مارے پھرنے والوں کی ڈراما "راجہ بہادر" میں خوب گت بنائی ہے۔ اور عزوجاہ طلب لیڈروں کے کرتوت ڈراما "چڑیا خانہ" میں بے نقاب کئے ہیں۔ اسی پر بس نہیں۔ بلکہ کئی خاندانوں کے اسرار سربستہ افشا کردیئے اور عدالت تک نوبت پہنچی۔ اب بنگال کا رجحان پولیٹکل ڈراموں کی طرف ہے۔ اور سب دشتم کے لیئے مسلمانوں کی جگہ گورنمنٹ منتخب کی گئی ہے۔ بیس پچیس سال کے اندر ہی ۵۵ ایسے ڈرامے لکھے گئے ہیں جن کا اسٹیج ہونا حکماً بند کیا گیا ہے۔ "سراج الدولہ" اور "چندر شیکھر" اس صنف کے بہت مشہور ڈرامے ہیں۔ آغا حشر کے ڈرامہ "تصویر وفا" کو بھی "مصر کماری" کے نام سے بنگالی میں منتقل کیا گیا ہے۔ اور اسے پولیٹکل ڈرامہ بنا دیا ہے۔

بنگال میں ایکٹری کو معیوب پیشہ نہیں سمجھا جاتا۔ وجہ یہ ہے کہ اعلیٰ ذاتوں کے لوگ اس پیشہ کو اختیار کرتے ہیں اور بالعموم اکثر تعلیم یافتہ اور اچھے چال چلن کے ہوتے ہیں۔ ان میں گریجوایٹوں کی تعداد اس کثرت سے ہوتی

ہے کہ دنیا بھر کا کوئی سٹیج بنگالی تھیٹر کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

سر ربندر ناتھ ٹیگور نے بھی بنگالی ڈراما کے لٹریچر میں گراں بہا اضافہ کیا ہے اور تمام ڈرامے موجودہ مغربی طرز پر استعارہ کے پردہ میں لکھے ہیں۔ ان میں اکثر ڈرامے ادبا، مغرب سے خراج تحسین حاصل کرچکے ہیں۔ ان میں سے ایک ڈرامہ موسومہ "چترا" کا ترجمہ جناب مولانا سالک بٹالوی سابق اڈیٹر اخبار زمیندار نے اُردو میں کیا ہے۔ یہ ترجمہ جملہ ادبی محاسن کا حامل ہے مگر سٹیج کے مصرف کا نہیں۔ حال میں آپ نے "کالی داس کے مشہور ڈراما "شکنتلا" کو نئے ڈھنگ سے لکھا ہے۔ ان کے حسب ذیل ڈرامے انگریزی میں ترجمہ ہوچکے ہیں۔

(۱) کال کوٹھری کا راجہ

(۲) ڈاک خانہ (حال میں لنڈن میں اسٹیج ہوا)

(۳) گردش بہار

(۴) قربانی اور دیگر ڈرامے

اُردو ڈراما کا مستقبل

دنیا کی تاریخ ڈرامہ کو سامنے رکھ کر دیکھیں اور اس قول پر کہ تاریخ اپنے آپ کو دوہراتی ہی یقین کریں تو اُردو ڈراما کا مستقبل نہایت شان دار نظر آتا ہے۔ ہر مہذب ملک میں ڈراما زوال پذیر ہوکر اُبھرا اور سوسائٹی کی نظروں سے گر کر اس شان سے اٹھا کہ سب نے آنکھوں پر جگہ دی۔ معراج کمال پر پہنچنے کے لیئے مغربی ڈراما کو جو جتن کرنے پڑے اُن ہی سے اب اُردو ڈراما دوچار ہے۔ کل کی بات ہے کہ ڈراما کے متعلق کوئی مضمون کسی رسالہ یا اخبار میں شایع کرنا شانِ صحافت کے نقیض خیال کیا جاتا تھا۔ لیکن آج "تحریک" لاہور عملی طور پر ڈراما کے لیئے وقف ہے۔ ہزار داستان لاہور میں ڈراما پر تنقیدا ور ڈرامے شائع ہورہے ہیں" شباب اُردو" لاہور کا بھی یہی مسلک ہے "ہمایوں" بھی کبھی کبھی نگاہ غلط انداز سے ڈراما کو دیکھ لیتا ہے "نگار" بھوپال میں ایک ڈراما کا ترجمہ مدتوں بالاقساط نکلتا رہا۔ "علی گڑھ میگزین" میں جناب سجاد حیدر صاحب ایک ترکی ڈراما کا ترجمہ شائع فرمارہے ہیں "معارف" میں بھی ڈراما کا تذکرہ آہی جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انجمن ترقی اُردو کا آرگن ایک ناچیز مضمون کے لیئے صفحے کے صفحے قربان کررہا ہے۔ پریس کی یہ فراخ دلی اس بات کی بین دلیل ہے کہ ڈراما ارباب نظر کے دلوں میں گھر کررہا ہے اور اُدبا اسے منھ لگانے لگے ہیں۔ انگلستان میں یہی صورتِ حال ڈراما کے منتہائے کمال پر پہنچنے کی

پیش خیمہ تھی۔ اُردو ڈراما کے لیئے یہ پہلی منزل تھی جو غیر محسوس طور پر طے ہوگئی اب دوسری منزل درپیش ہے اور ایسے اسٹیج کی ضرورت لاحق ہوئی ہے جو باُصول ڈراموں کی نمائش کا اہتمام کرے۔ موجودہ تھیٹروں سے یہ توقع رکھنا بے سود ہے۔ خود انگلستان کی تھیٹروں نے جدید رنگ کے ڈراموں کو اسٹیج کرنے سے انکار کردیا تھا تو ان قلیل بضاعت کمپنیوں سے اس امتحان میں پڑنے کی کیونکر توقع ہوسکتی ہے۔ اس لیئے یہ ازبس ضروری ہے کہ لوگوں کو طرح جدید کا خوگر بنا دینے کے کے لیئے پیرس کے تھیٹر "لبری"، برلن کے "فری بون" اور انگلستان کے دی پرٹری تھیٹر کی طرح ایک تھیٹر کھولا جائے اور لوگوں کو دکھایا جائے کہ با اُصول ڈرامے کیسے ہوتے ہیں۔ جب اس ذوق کے تماشائی پیدا ہوجائینگے تو مصنفوں اور تھیٹروں کا پیدا ہونا معمولی بات ہے لیکن یہ ایک ایسی عالی نگاہی ہے جس کے پورا ہونے کا کوئی سامان نظر نہیں آتا مگر کالجوں اور اسکولوں میں ایسے ڈراموں کی نمائش آسانی سے ہوسکتی ہے اور اس طرح ڈرامے کی بہت کچھ اِصلاح ممکن ہے۔ پنجاب کے کالجوں میں اب انگریزی ڈراموں کی جگہ اُردو ڈرامے کیئے جاتے ہیں اور بہت کامیاب رہتے ہیں۔ گورنمنٹ کالج لاہور نے تو ان تماشوں میں میر امتیاز علی صاحب تاج کی مساعیِ جمیلہ کی بدولت خاص امتیاز حاصل کیا ہے۔ میر صاحب نے برنرڈ شا کے ایک ڈرامے کا ترجمہ اس ٹھاٹھ سے اسٹیج کیا کہ بڑے بڑے جہاں دیدہ ایکٹر منھ دیکھتے رہ گئے اگر دیگر صوبوں اور جامعہ عثمانیہ کے طلبا پنجاب کی تقلید کریں تو یہ فن چند روز میں کہاں سے کہاں پہنچ جائے بنگالی اسٹیج کا عروج تعلیم یافتہ نوجوانوں کی سرگرم محنت کا ثمر ہے۔

اعتذار

ہمیں افسوس ہے کہ زیر کار کتاب موسومہ "دنیائے ڈراما کی تاریخ" کا یہ باب اس جامعیت سے شائع نہیں ہو رہا جو اس کا حق تھا۔ تلیگو۔ تامل۔ مرہٹی اور گجراتی ڈرامہ کی طرف سے خاموش رہنا گناہِ عظیم ہے لیکن اس کی تلافی ہمارے بس کی بات نہ تھی۔ مصالحہ نہ ملنے کے باعث اگر مکان کی تعمیر میں فرق آئے تو معمار معذور ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مضامین تشنہ نظر آتے ہیں۔ مگر ان پر تفصیل سے بحث کرنا اس باب میں موزوں نہ تھا۔ کتاب مذکور کا مقدمہ جو ان تمام باتوں کے شرح و بسط پر محتوی ہے، ناظرین کرام اس کی اشاعت کا انتظار فرمائیں۔

نورِ الٰہی
محمد عمر

جموں
کشمیر

دیوان حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیریؒ

از جناب مرزا محمود صاحب شیروانی

کسی زبان کی ادبی تاریخ کے گہرے مطالعہ کے وقت بعض عجیب و غریب باتیں ایک محقق کی نظر سے گذرتی ہیں مصنفین کے سلسلہ میں اُس کو بعض ایسی ہستیاں نظر آئیں گی جو بغیر کسی صحیح استحقاق کے، بزم ادب کے مشاہیر میں شمار ہو کر اصلی اور حقیقی مستحقین کے دوش بدوش کھڑی ہیں، حقیقتاً اس بزم میں ان کی باریابی کسی نامعلوم بے انصافی یا کسی اتفاقی غلطی اور غلط فہمی کی بنا پر ہوتی ہے جس کی اصلی حقیقت ہمعصر تاریخ کی یاد سے محو ہو کر ہمیشہ کے لیے ایک راز سربمہر بن گئی ہے۔

ان میں بعض ایسے بے رحم ہیں جو نہایت بیدردی اور سنگدلی کے ساتھ غیر لوگوں کے کلام پر قبضہ مالکانہ جما کر ان کی تمام عمر کی محنت اور جانکاہی کے نتیجہ کو اپنا بنا کر مشہور کر دیتے ہیں۔ ایسے حضرات کو اگر ادبی قزاق کے نام سے موسوم کیا جائے تو موزوں ہوگا۔ بعض وقت انکا راز طشت از بام ہو جاتا ہے۔ لیکن اکثر اوقات نہیں ہوتا۔ ادبی قزاق ہر قوم اور ہر زبان میں پائے جاتے ہیں۔ صاحب کشف المحجوب کا ایک واقعہ ہے کہ ان کا دیوان جس کی ان کے پاس ایک نقل تھی کسی شخص نے مستعار مانگا اور یہ ستم ظریفی کی کہ مطالعہ کے بعد بجائے واپسی کے اصل کتاب سے ان کا نام خارج کر کے اس کو اپنے نام سے مشتہر کر دیا۔ اسی طرح تصوف میں آپ کی ایک اور تالیف منہاج الدین نامی ایک شخص نے عاریتاً دیکھنے کو لیکر اپنی طرف منسوب کر دی۔

انوری کا قصّہ مشہور ہے کہ ایک روز بلخ کے بازار سے گذرتے ہوئے کسی مقام پر اس نے لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ بھیڑ چیر کر اندر گیا تو دیکھتا ہے کہ خود انوری کے اپنے اشعار ایک شخص مجمع میں سُنا رہا ہے، شاعر نے بڑھکر اس سے پوچھا کہ یہ اشعار کس کے ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا انوری کے۔ دوبارہ سوال کیا کہ انوری کو جانتے بھی ہو، اس شخص نے جواب دیا، چہ خوش جانتا کیسا میں خود انوری ہوں۔ انوری نے ہنسکر کہا شعر دزد سنتے آئے ہیں لیکن شاعر دزد

آج ہی دیکھا[۵۱]۔

یہی انوری اپنے قصیدے میں کسی نامی شاعر کے متعلق گویا ہے ؎

کس دانم ازا کابر گردن کشان نظم — کو را صریح خون دو دیوان بگردنست

شادی آبادی[۵۲] اس شعر کی شرح میں لکھتا ہے کہ امیر معزی نے مولانا احمد ساوی اور مولانا حمید اسغانی (؟) کے دیوانوں پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔

دوسرا گروہ اس گروہ سے کم خطرناک نہیں لیکن نوعیت عمل میں بالکل متضاد ہے۔ اخلاقی نظر میں ان کا فعل چنداں مذموم نہ مانا جائے لیکن ادبی اخلاق، اخلاق مروجہ سے مختلف ہیں۔ ادبی نقطۂ نظر سے ان کا جرم اسی قدر سنگین اور اہم ہے جس قدر سابق الذکر گروہ کا اگرچہ نوعیت کے اعتبار سے ان کے جرم کے مختلف مدارج ہیں، جس طرح کویل کوّے کے گھونسلہ میں اپنے انڈے چھوڑ آتی ہے یہ گروہ اپنی تصانیف کو دوسرے کے سر تھوپ دیتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ قابل نفریں وہ طبقہ ہے جو گذشتہ بزرگانِ دین کے نام پر اپنے دماغی کارناموں کو شہرت دیتا ہے کیونکہ اس کا مقصد بعض مذہبی مسائل پر رجحان عام کی تبدیلی ہوتی ہے یا کسی خاص فرقہ کی آرا کو مقبول عام بنانا اصلی مقصود ہوتا ہے۔

بعض امیر اور رئیس ادبیات لطیفہ کے دلدادہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ تصنیف کی قابلیت کا جوہر اُن میں مفقود ہوتا ہے اس لیے کرایہ کے ٹٹو ان کے لیے یہ کام کرتے ہیں، بعض لوگوں کو خبط ہوتا ہے کہ اپنا کلام دیگر مشاہیر کی طرف مضاف کر کے زبان زد عام ہوتا دیکھنا چاہتے ہیں، سیاسی اغراض کی تعمیل کی غرض سے اکثر مجعول تصانیف پیدا کی جاتی ہیں، سلف پرستی ایک اور شکل ہے جس میں معتقدین اپنے پیر و مرشد کے اصلی جوہر کو زیادہ فروغ، اور رونق دینے کی غرض سے ادب و شاعری وغیرہ کے اضافی کمال ان کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

تیسری صورت مغالطہ ہے جس میں بوجہ ہم نامی یا محض اتفاقیہ غلطی کی بنا پر ایک شخص کا کلام دوسرے کے سر منڈھ دیا جاتا ہے، ہمنامی کی وجہ سے تاریخ میں اکثر غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں لیکن مغالطہ اور سلف پرستی کا فرق دریافت کرنا بعض اوقات ایک مورخ کے لیے نہایت دشوار ہو جاتا ہے کیونکہ وہ معلول کو دیکھتا ہے اور علت اس کی نگاہوں سے چھپی رہتی ہے، نتیجہ اس کے پیش نظر ہے لیکن اس نتیجہ کو بروئے کار لانے والی ہستیاں آنکھوں سے غائب

---

[۵۱] لطائف الطوائف علی بن حسین الواعظ کاشفی ص ۱۰۹ طبع آقا محمد شیرازی ملک الکتاب بمبئی سنہ ۱۳۱۱ھ

[۵۲] شرح قصائد انوری از محمد بن داؤد بن محمد علوی شادی آبادی۔

ہیں، یہاں مغالطہ یا سلف پرستی کی مثال میں دیوان حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے متعلق ایک تبصرہ پیش کیا جاتا ہے۔

یہ دیوان مطبع منشی نولکشور میں سب سے پہلی مرتبہ ۱۲۸۸ھ ہجری مطابق ۱۸۷۱ء میں طبع ہوا جب سے اب تک کئی بار چھپ چکا ہے اور کتاب فروشوں کے ہاں عام طور پر ملتا ہے کچھ عرصہ ہوا جلال الدین الٰہی بخش تاجران کتب لاہور نے نیا ایڈیشن نکالا ہے، اس کے قلمی نسخے بھی وقتاً فوقتاً نظر سے گذرتے ہیں لیکن اکثر گذشتہ صدی یا قرن سابق سے تعلق رکھتے ہیں اور لوگ خواجہ صاحب کا کلام سمجھکر نہایت عزیز رکھتے ہیں۔

کارپردازان مطبع منشی نولکشور نے اس دیوان کے متعلق اشاعت بار اول میں خاتمہ پر یہ بیان دیا ہے:

"آج تک کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ باوجود کمالات صوری ومعنوی مذاق شعرو شاعری بھی رکھتے تھے حسن اتفاق سے ہم کو ایک مختصر دیوان حضرت صاحب کا بمنزلہ کلیات کتبخانہ مستجمع کمالات جناب منشی مردان علی خاں صاحب رعنا نائب دیوان سرکار مارواڑ سے نصیب ہوا اور اس پر مواہیر فیضی وابوالفضل ثبت تھیں معلوم ہوا کہ وہ کتبخانہ اکبر بادشاہ کا تھا اور شہنشاہ ممدوح ازبس معتقد حضرت خواجہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کا تھا اس نے اپنے عہد دولت میں بہم پہنچایا، اور شکر خدا کہ ہم کو گھر بیٹھے بے منت ہات آیا چونکہ یہ نعمت غیر مترقبہ تھی اس لیے ہم نے واسطے یادگار حضرت کے طبع کیا تا بطور تبرک کے لوگ اسے حرز جاں بنائیں اور ہم بھی اس سعادت سے ثمرۂ خیر پائیں۔"

اس میں پہلا بیان تو صریحاً غلط ہے۔ دیوان ممکن ہے کہ اسی قدر قدیم ہو جیسا کہ دعویٰ کیا گیا ہے لیکن یہ بیان کہ اکبر نے کوشش کرکے بہم پہنچایا، ثبوت کا محتاج ہے اگر اس قسم کا کوئی ذکر اس نسخہ میں تھا تو کارپردازان مطبع کا فرض تھا کہ اُسے بھی دیوان کے ساتھ شائع کرتے۔ اس میں شک نہیں کہ بوجہ حضرت شیخ سلیم چشتی شہنشاہ جلال الدین اکبر ایک زمانۂ خاص تک خواجۂ اجمیر کا بہت معتقد رہا ہے چنانچہ فتح پور سے اجمیر تک پیادہ پا سفر بھی کیا ہے اس کے بعد کارپردازان مطبع کا بیان ہے:

"جناب خانصاحب موصوف سے ہم نے دریافت کیا کہ آپ کو کس جگہ سے یہ نسخۂ اکسیر ہاتھ آیا۔ خانصاحب ممدوح نے یہ روایت بیان کی کہ ایک شب میں نے حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بمقام لکھنؤ ۱۸۶۵ء رویائے صادقہ میں دیکھا کہ حضرت صاحب میرے مکان پر تشریف لائے ہیں"

میں نے عرض کیا کہ ایک نقش تبرکاً مجھکو عنایت ہو چنانچہ حضرت صاحب نے عنایت فرمایا اس کی تعبیر یہ ہوئی کہ اسی کے قریب ایک دست فروش میرے پاس یہ دیوان ایک پرانی ردی کتاب جانکر بیٹھے فروخت کر گیا"

خواب کے متعلق رائے زنی کرنا ایک ادبی نقاد کے منصب میں داخل نہیں کیونکہ اس کے موضوع واقعات ہیں نہ ظنیات اس لیے راقم اس کی ممالکشائی سے اعراض کرکے اسی گذارش پر اکتفا کرتا ہے کہ میں یہ قصہ قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں اس لیے کہ مردان علی خاں رعنا اور منشی نولکشور پہلے حضرات نہیں ہیں جنھوں نے سب سے پیشتر اس دیوان کا سراغ نکالا ہے، بلکہ ان کے عہد سے ایک صدی پیشتر تک کے اہل علم کو کم از کم اس کا ضرور علم تھا اور جیسا کہ سابق میں گذارش کر چکا ہوں یہ دیوان اس قدر نایاب بھی نہیں تھا، چنانچہ اسی دیوان کے متعلق تذکرہ روز روشن صـ۶۳۷ پر حضرت خواجہ معین الدین کے حالات میں مصنف نے یہ دیوان حضرت خواجہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے،

"دیوانے مختصر از ملفوظات آں قدوۂ عرفائے کرام و اسوۂ اولیاء عظام پیش نظر است و ایں چند اشعار منتخب ازاں مختصر کہ در روئے جائے معین و جائے معینی تخلص مے فرماید"

انتخاب میں صاحب تذکرہ نے چھیالیس بیت اور ایک رباعی دی ہے ان میں سے موجودہ دیوان نولکشور میں قریباً سترہ اشعار جو دس مختلف غزلوں سے تعلق رکھتے ہیں موجود نہیں ہیں اس سے ظاہر ہے کہ صاحب تذکرہ روز روشن کے زیر نظر یہ مطبوعہ دیوان نہیں ہے بلکہ کوئی قلمی نسخہ جس میں مطبوعہ نسخہ سے زیادہ غزلیات ہیں۔

تذکرہ مخزن الغرائب (۱۲۱۸ھ) میں حضرت خواجہ کے نام صرف دو رباعیاں درج ہیں، یہ مصنف دیوان کے وجود سے بےخبر معلوم ہوتا ہے وہ رباعیاں یہ ہیں:

(۱)

عاشق ہمہ دم فکر رخ دوست کند معشوق کرشمہ کہ نیکوست کند
ما جرم و گنہ کنیم و او لطف و عطا ہر کس ہر چیز لایق اوست کند

(۲)

اے بعد نبی بر سر تو تاج نبی دے دادہ شہاں ز صولتت باج نبی
آنی تو کہ معراج تو بالا تر شد یک قامت احمدی ز معراج نبی

پہلی رُباعی روزِ روشن میں بھی درج ہی۔

مردان علی خاں مبتلا نے اپنے تذکرۂ منتخب الاشعار میں جو ۱۱۶۱ھ میں تصنیف ہوا ہے صرف پچھلی رُباعی حضرت خواجہ کے نام پر لکھی ہے اور مصرعہ دوم کو مصرعۂ اول کی بجائے لکھا ہے یعنی ترتیب بدل دی ہے۔

میر حسین دوست تذکرہ حسینی میں جو ۱۱۶۳ھ میں مرقوم ہوا ہے خوجہ معین الدین چشتی کے حالات با تفصیل دیتا ہے اور آخر میں ان کے دیوان سے ایک رُباعی اور تین غزلوں کے بعض اشعار نقل کرتا ہے۔ آتشکدہ آذر میں صرف گزشتہ دو رُباعیاں ملتی ہیں۔ اور مجمع الفصحا میں رُباعیوں کے علاوہ یہ دو بیت بھی خواجہ کے نام پر دیئے ہیں ؎

سیل را نعرہ از آنست کہ از بحر جداست | وآنکہ با بحر در آمیختہ خاموش آمد

نکتہا دوش دلم گفت و شنید از لبِ یار | کہ نہ ہرگز بزبان رفت نہ در گوش آمد

کتبخانہ بانکی پور کی فہرست میں اس دیوان کے متعلق یہ الفاظ ہیں:

"اس اعتقاد کے تسلیم کرنے کا کہ یہ دیوان مشہور و معروف خواجہ معین الدین چشتی سے علاقہ رکھتا ہی ہمارے پاس صرف یہ ذریعہ ہے کہ تقی اوحدی عرفات میں اور والہ ریاض الشعرا میں اس دیوان کے بعض اشعار نقل کر کے ان کو حضرت خواجہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لیکن نہ یہ دونوں مؤلف اور نہ کوئی اور مصنف صاف طور پر ذکر کرتا ہے کہ خواجہ کی یادگار کوئی دیوان بھی ہے۔"

اس طرح دیکھا جاتا ہے کہ بعض تذکرہ نویسوں نے بھی یہ دیوان خواجہ معین الدین چشتی کی طرف منسوب کر دیا ہے اور اب وہ عام طور پر انھی کے نام سے مانا جاتا ہے لیکن ایک محقق اور منتقد کی نظر میں یہ شہادت اور بیانات اس دیوان کا تعلق خواجہ اجمیر سے وابستہ کرنے کے لیے کافی معلوم نہیں ہوتے کیونکہ سب سے مقدم یہ سوال پیش آتا ہے کہ حضرت خواجہ کے عہد سے ان بزرگوں کے دور تک جس کے درمیان پانچ صدیوں سے زیادہ کی مدت حائل ہے یہ دیوان گنج مخفی کی طرح کہاں غائب رہا اور خواجہ کے سوانح نگاروں کی نظروں سے کیونکر بچا۔

خواجہ معین الدین چشتی کے حالات اور کمالات آپ کے زمانہ سے لیکر اب تک ہر عہد میں دنیا کی نظر میں رہے ہیں تمام شایقین کے علاوہ اصحاب تصوف کو ان کے واقعات و مقالات سے ہمیشہ خاص دلچسپی رہی ہے پھر لیسے

مشہور تر از آفتاب ہستی کا کلام اس عرصہ دراز تک دنیا کی نگاہ سے کیونکر پوشیدہ رہا آپ کے دیوان سے گذشتہ قرون کے مصنفین کا بے خبر رہنا ایک دشوار امر معلوم ہوتا ہے، ہر عہد اور ہر دور میں خواجہ کے واقعات لکھے اور پڑھے گئے ہیں لیکن ان تصنیفات میں خواجہ کے دیوان یا شاعری کا مطلق ذکر نہیں آتا آپ کی تصنیف انیس الارواح موجود ہے جس میں آپ نے اپنے پیر و مرشد حضرت عثمان ہارونی کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔ خود آپ کے ملفوظات حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ نے دلیل العارفین کے نام سے شائع کیے ہیں، سیر العارفین میں جو نصیر الدین ہمایوں بادشاہ کے عہد میں تصنیف ہوئی ہے آپ کے کافی حالات ملتے ہیں، ابوالقاسم فرشتہ نے مشائخ ہند کے احوال میں سب سے مقدم آپ کا ذکر کیا ہے اور آپ کے متعلق تمام واقعات جمع کر دیئے ہیں علاوہ بریں اہل تصوف کے تذکروں میں آپ کے حالات اکثر موجود ہیں لیکن ان تمام کتابوں میں نہ صرف آپ کے دیوان بلکہ آپ کے ذوق شعر تک کا ذکر نہیں ملتا۔ بابو لال صاحب نے ہدایت المومنین کے ایک حصہ کا ترجمہ ۱۸۷۹ء میں شائع کیا جس میں خواجہ کے مبسوط حالات ملتے ہیں لیکن آپ کے دیوان سے یہ مصنف بھی اجنبی ہے۔

دیوان فی نفسہ اس سوال پر کچھ روشنی نہیں ڈالتا اس میں کوئی ایسی شہادت یا تلمیح موجود نہیں جو اس کو خواجہ صاحب کی ذات سے انتساب دے اگرچہ بعض شہادتیں اس انتساب کی تردید کے حق میں جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا موجود ہیں۔

دیوان ۹۱ صفحات پر ختم ہو جاتا ہے جس میں غزلیات کے سوا کوئی اور صنفِ نظم موجود نہیں غزلوں کی تعداد ایک سو اکیس[۱۲۱] ہے اور ابیات کا شمار گیارہ سو بارہ سو کے درمیان ہے، شاعر اپنا تخلص دو طرح سے لاتا ہے یعنی معین اور معینی متعدد غزلیں حمد و نعت میں ہیں کلام سرتاپا عشق و عرفان کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے اور عشق کا جذبہ بہت غالب ہے، رندی اور سرمستی کے مضامین خال خال موقعوں پر نظر آتے ہیں، خمریات کا جوش جبکہ عراقی اور حافظ کے ہاں بہت غالب ہے یہاں بالکل دبا ہوا ہے، شوخی مطلق نظر نہیں آتی بلکہ متین اور سنجیدہ خیالات قدم قدم پر دامن گیر نظر ہیں، مذہب سے عداوت نہیں ہے اور نہ شیخ و زاہد کا استخفاف منظور ہے، تجرید اور ترک تعلق شاعر کا اصل موضوع ہے یہاں تک کہ بہشت و خلد و حور بہا کی غایت مقصود ہے داسگاہ ملائق بتادی گئی ہے، کلام میں متانت اور شیرینی نظر افروز ہے، خیالات میں نزاکت اور خوش اسلوبی جو متاخرین کا دست مایہ ناز ہے غلبہ پائے ہوئے ہے، زبان میں کچھ اس قسم کی گھلاوٹ اور

لطافت موجزن ہے جو خواجہ معین الدین کے ایام میں قطعی نامعلوم تھی ناتمام بندشیں اور ترکیبیں متاخرین کے طرز کی پائی جاتی ہیں، ادائگی خیالات کے لیے الفاظ کے بوقلموں پیرلیے شاعر کے قبضہ میں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غزل کی زبان اس عہد تک ترقی اور وسعت بدرجۂ کمال پا چکی تھی، مثلاً ہستی انسانی یا وجود انسانی کا مقصد ادا کرنے کے لیے شاعر نے یہ ترکیبیں اختیار کی ہیں۔

زنگ تن، نقاب حدوث، پردۂ تن۔ دلق ہستی۔ زندان تن۔ لباس حُدوث۔ پردۂ آب وگل۔ ظلمت بشریت خرقۂ ہستی۔ دام آب وگل۔ شبستان بدن۔ پردۂ خاک۔ وغیرہ وغیرہ

کلام کا عام جوہر سادگی۔ سادہ بیانی اور سادہ خیالی ہے۔ تکلفات سے عام طور پر احتراز ہے، خیالات کی بوقلمونی اور تنوع غزل کا تقاضائے امتیاز ہے لیکن اس دیوان میں بیرونی اور اجنبی خیالات بہت کم چھیڑے گئے ہیں نفس مضمون پر توجہ مائل ہے اس لیے اشعار میں ایک قسم کا تسلسل پایا جاتا ہے، حقائق ودقائق تصوف، واردات سلوک، تجرید وتوحید، فنا وبقا، نفی واثبات، اشتیاق دیدار، بیان عشق وغیرہ کے اظہار پر شاعر کی تمام شاعری مبذول ہے۔ مضمون کی اس تنگی سے کلام میں ایک خفیف سی اُداسی کی جھلک نمودار ہے، جدت اور آمد اچھے خاصے پیمانہ پر ہے بعض ابیات ایسے صاف اور ہموار نکل آئے ہیں کہ دل میں چٹکیاں لیتے ہیں یہ ایک ایسے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے جو جذبات عشق الٰہی سے سرشار اور رسول عربی کا عاشق زار ہے، مسافر منازل طریقت ہے لیکن شریعت کی روشنی میں، عشق ہے لیکن متانت کے ساتھ، دیوانگی میں بھی دانائی کی ادا موجود ہے، مسائل معرفت کے ساتھ فلسفۂ تصوف کی اصطلاحات کو نہایت بے تکلفی اور خوش اسلوبی کے ساتھ برتا گیا ہے جو بات عراقی اور حافظ کو بھی نصیب نہیں، ان دقائق نے کلام کو بعض وقت دقیق اور پیچیدہ کر دیا ہے۔

حکیم سنائی غزنوی کے ہاں زاہدی اور تصوف میں کوئی امتیاز نہیں ہے ان کا بیان تصوف، پند وموعظت اخلاق وحکم زہد وتقویٰ پر منحصر ہے، عطار نے مثنوی کے علاوہ غزل کو خصوصیت کے ساتھ دقائق ونکات معرفت وسلوک کی اشاعت کا میدان بنایا، عطار کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جذبۂ عشق کیفیات روحانی وواردات حقیقت کی ترجمانی کے لیے اپنے ہمعصر شیخ محی الدین ابن عربی کی طرح مجاز کی زبان اختیار کی اور اس غرض سے مے و جام پیمانہ، ومیخانہ، بت ومغ، ترسابچہ وگبر، دیر، مینا، ناقوس، چلیپا، شاہد وشمع، زنار، وخرابات، وغیرہ وغیرہ

کو خاص معنی دے کر غزل سے آشنا کر دیا، حقیقت و مجاز کے اتحاد نے غزل میں ایک خاص حلاوت اور ملاحت پیدا کر کے اس کے خط و خال کو قصیدہ سے بالکل ممیز کر دیا۔ حقیقت کا اظہار مجاز کر کے پیرایہ میں فرید الدین عطار سے شروع ہوتا ہے عطار کے تتبع میں مولانا روم نے اس زمین کو زیادہ وسعت دی، عراقی نے غزل کی شراب کو زیادہ تیز اور سرجوش کر دیا حافظؒ نے اس کے رنگ کو شوخ اور کیف کو زیادہ لطیف بنا دیا۔ اگرچہ غزل نے اس طرح خرابات کی آب و ہوا اور تصوّف و عرفان کے آغوش میں پرورش پائی اور حقیقت و مجاز کی دو عملی میں ہوش سنبھالا لیکن فلسفۂ تصوف کا خلعت اس کو جامی اور مغربی عطا کرتے ہیں، یہی آخری رنگ اس دیوان میں عام ہے۔ خیر یہ تو ایک جملۂ معترضہ تھا۔ . . . دیوان میں مسئلہ ہمہ اوست پر بہت زور دیا گیا ہے ذیل میں بعض مثالیں درج ہیں۔

کسیکہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست
حریف خلوت و ساقی بخویشتن ہمہ اوست

اگر تو خرقۂ ہستی خویش پارہ کنی
نظر کنی کہ دریں زیر پیرہن ہمہ اوست

مگو کہ کثرت اشیا نقیض وحدت گشت
تو در حقیقت اشیا نظر فگن ہمہ اوست

چو نائے کہ نہد ہر زباں نے لب خویش
نہادہ بر دہن عاشقاں دہن ہمہ اوست

چہ جائے بادہ و جام و کدام ساقی مست
خموش باش معینی دم مزن ہمہ اوست

دیگر

جمالِ یار میخواہی بذرات جہاں بنگر
کہ ہر ذرہ است مرآتے کزو دیدار می تابد

دیگر

صفات و ذات چو از ہم جدا نمی بینم
ہر چہ می نگرم جز خدا نمی بینم

متعدد موقعوں پر شاعر نے اپنے آپ کو "مسکین معین" لکھا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ شاعر مسکین کا لفظ اپنے تخلص یا نام کے ساتھ استعمال کرنے کا عادی تھا اس قسم کی بعض امثال حوالۂ قلم ہیں ۵

درآ بہ مجلس مسکیں معین شوریدہ
کہ نقل و بادہ زگفت و شنید خود بینی

دیگر

مسکیں معینؔ در یک غزل بنمود اسرار ازل   بشنو کلام لم یزل در کسوت گفتار او

دیگر

چوں دل مسکیں معینؔ آئینہ تست اے کریم   آئینہ خود را صفائی دہ ز نور خویشتن

دیگر

گنگ شو مسکیں معینؔ ہم خود ثنائے خود مگو   بہتر آں باشد کہ من گویم بدیں سال حمد تو

دیگر

از غمت مسکیں معینؔ ہر دم بدردے مبتلاست   اے طبیب عاشقاں بیمار پرسیدن تو آں

دیگر

در مجلس مسکیں معین یک دم نشیں صد در بچیں   بنگر چہ درہائے ثمیں دادہ است دریائے دلم

دیوان کے تتبع سے اس قدر اور پایا جاتا ہے کہ شاعر اپنی زندگی میں واعظ ضرور رہا ہے کیونکہ بعض مقطعوں میں اُس نے منبر، مجلس، اور وعظ کی طرف کئی مقام پر تلمیح کی ہے چنانچہ ذیل کی امثال شاہد ہیں ؎

بزمِ خاص است معینؔ بادۂ وحدت پیش آر   ہاں کہ مستی تو بر مجلسیاں تافتہ است

دیگر

معیںؔ برآئے بہ منبر بگوئے نکتۂ عشق   کہ بلبلِ چمنِ عشق در زمانہ توئی

دیگر

گرچہ شاہاں را بہ تخت و تاج زینت می دہند   جلوہ مسکیں معیںؔ بر تاج و منبر کردہ اند

دیگر

معینیؔ گر ہمی خواہی کہ سرّش بر زباں رانی   مقام آں سر داراست بر منبر نمی گنجد

دیگر

بیا بوعظ معینی رموز عشق شنو — کہ از حکایت او بوئے دوست می آید

دیگر

معین را در صغر آنکس بہ منبر در سخن آرد — کہ در گہوارۂ طفلی قرین ابن مریم شد

دیگر

خلق گویندم معین ایں رمز بر منبر بگوئے — آہ کیں آتش ہزاراں واعظ و منبر بسوخت

ان اشعار سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ شاعر کا پیشہ وعظ گوئی تھا۔

گزشتہ مشاہدات کی روشنی میں اس دیوان کو خواجہ معین الدین چشتی کی طرف منسوب کرنا مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ میں اپنے گزشتہ دلائل کو مختصراً یہاں پھر دہراتا ہوں۔

(۱) تاریخ خواجہ صاحب کی شاعری اور اُن کے دیوان سے ناواقفِ محض ہے۔

(۲) اس دیوان کی زبان خواجہ صاحب کے عہد کی زبان ہرگز نہیں بلکہ متاخرین کی زبان معلوم ہوتی ہے۔

(۳) دیوان میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی رو سے اس کا تعلق خواجہ صاحب سے قائم کیا جائے

(۴) دیوان سے اس قدر ظاہر ہے کہ اس کا قائل کوئی واعظ ہے۔

چونکہ داخلی شہادت سے اس قدر مفہوم ہوتا ہے کہ وہ کسی واعظ کا کلام ہے اس لیے ہمیں واعظین کے سلسلہ میں اس کے مصنف کی تلاش کرنی چاہیے۔ اس غرض سے میں مولانا معین الدین بن مولانا شرف الدین حاجی محمد الفراہی صاحب معارج النبوت اور مشہور واعظ کا نام پیش کرتا ہوں مولانا اپنی تصنیفات میں اپنے آپ کو "مسکین معین" لکھنے کے عادی ہیں۔ آپ سلطان ابوالغازی حسین کے عہد کے زبردست فاضل ہیں اور مولانا جامی کے ہمعصر۔ آپ اپنے عہد کے مشہور واعظ اور صاحبِ تصنیفات کثیرہ ہیں، دنیاوی تعلقات سے اس قدر بیزار تھے کہ جب ۹۰۰ھ میں آپ کے بھائی مولانا نظام الدین قاضی ہرات نے اس عالم فانی سے رحلت کی تو آپ نے سلطان حسین کی استدعا اور اصرار پر بدقت تمام اپنے بھائی کا منصب قبول کیا اور ایک سال کے بعد ہی اس سے دستکش ہوگئے۔ آپ کا درجہ علم و فضل اور زہد و تورع میں نہایت ممتاز تھا طبیعت میں بلندی، اور دنیا کی طرف سے بے پروائی بسی ہوئی تھی۔ جامع مسجد ہرات میں

ہر جمعہ کو وعظ فرمایا کرتے تھے، آپ کے وعظ میں اثر، تقریر میں تاثیر اور بیان میں دلکشی تھی۔ ہزاروں مستمعین آپ کے وعظ سے بہرہ اندوز ہوتے تھے ان مجالس تذکیر میں بڑے بڑے جلیل القدر امرا بھی شریک ہوتے تھے، اور مولانا اُن کی وجاہت دنیاوی کی ذرا پروا نہ کرکے برسرِ منبر ان کے افعال قبیحہ پر سرزنش کرتے تھے، وہ سنتے تھے اور اُف نہیں کرسکتے تھے سچ کہا ہے "حق کا مرتبہ دولت اور حکومت سے بالا ہے"۔

تاریخ حبیب السیر میں مولانا معین الدین کے حالات میں (ص۳۴۳ جلد سوم جزو سوم) یہ عبارت ملتی ہے:

"مولانا معین الدین الفراہی برادر ارشد قاضی نظام الدین بود و در بسیارے از فضائل و کمالات اظہار وفو می نمود، در زہد و تقویٰ درجۂ علیا داشت و اکثر خطوط را در غایت جودت بر صحیفۂ تحریر می نگاشت در ایام جمعہ بعد از نماز در مقصورۂ مسجد جامع ہرات وعظ در کمال تاثیر میگفت و دُرر غُرر معانی آیات و احادیث را بہ الماس طبع لطیف می سفت با عاظم امرا و نوئینان کہ در مجلس وعظ مے نشستند ملتفت نمے گشت در وقت نصیحت آں طائفہ سخنان درشت بر زبانش میگزشت و آں جناب بعد از فوت برادر بموجب تکلیف خاقاں والا گہر مدت یک سال صاحب منصب قضا بود آنگاہ ترک آں امر دادہ ہر چند دیگر مبالغہ نمودند قبول نفرمود از آثار قلم لطافت نگار مولانا معین الدین، معارج النبوت، درمیان مردم مشہور است، و اکثر وقائع و حالات سید کائنات علیہ افضل الصلواۃ و اکمل التحیات بروایات مختلفہ دراں مسطور و مولانا معین الدین در شہور سبع و تسعمائۃ مریض شدہ درگذشت و در مزار متبرک حضرت یاری خواجہ عبداللہ انصاری پہلوئے برادر خود قاضی نظام الدین مدفون گشت"

مولانا معین الدین نے چالیس سال کامل وعظ و تذکیر میں صرف کیے ہیں وعظ سے جو وقت بچتا تھا تصنیف و تالیف میں بسر ہوتا تھا آپ نے فن تذکیر کو برخلاف ہمارے علماء عہد کے روّیہ کے حتی الوسع دلچسپ اور شگفتہ بنانے کی کوشش کی ہے، آپ کے مواعظ اور تصنیفات مذاق شعر سے پُر ہیں ان میں عشق و تصوف کا رنگ نہایت شوخ ہے شعر میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے، طبیعت میں زود گوئی بہت معلوم ہوتی ہے آپ کا رتبہ شعرائے متصوفین میں عراقی اور مغربی کے مساوی مانا جائے تو مبالغہ نہیں کہا جاسکتا شعر کا مذاق، فن تذکیر کی طرح خاندانی ہے۔ آپ کے والد مولانا شرف الدین حاجی محمد جو مرزا ابوالقاسم بابر کے عہد کے مشاہیر فقہا میں شمار ہوتے تھے خود بھی شاعر تھے ہیں تبرکاً ان کے چند اشعار یہاں

درج کرتا ہوں ؎

نقّاش قصر فطرت بے صورت و ہیولیٰ | بر صدر لوح حکمت نقشے کشید زیبا
شہباز جاں نشستہ بر قبۂ معانی | عنقائے عقل جستہ بر قاف قرب ماویٰ
برداشت قبضۂ گل، بنگاشت پیکر دل | از نور او ست حاصل خورشید اوج اعلیٰ
مجموعۂ عجائب، اعجوبۂ غرائب | پاک از ہمہ شوائب از جسم و جاں معریٰ

مولانا معین الدین تصانیف کثیرہ کے مالک ہیں ان کی کتابیں اور رسالے بے شمار ہیں لیکن جو مجھے معلوم ہو سکیں ذیل میں درج ہیں۔

(۱) تفسیر بحر الدُرر

(۲) تفسیر حدائق الحقائق فی کشف اسرار الدقائق

(۳) واضحہ فی اسرار الفاتحہ۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔

(۴) معارج النبوۃ فی مدارج الفُتُوّت یہ رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کی مفصل سوانح عمری ہے جس میں آپکے احداد امجاد یعنی ساتوں انبیاء اعظم کے بھی حالات درج ہیں ۸۹۱ھ میں اس کتاب کی ابتدا ہوئی اور کئی جلدوں میں لکھی گئی اسمیں ایک مقدمہ چار رکن اور ایک خاتمہ ہے کتاب کو جابجا اقوال آیات، نکات، اور اشعار سے دلچسپ بنانے کی کوشش کی گئی ہے، شعرایں سنائی، عطارؔ مولانا روم، اوحدی، عراقی، اور مولانا جامی کے ابیات موقع بہ موقع استعمال کئے ہیں اس کے سوا شاعر نے اپنے اشعار بھی کثرت کے ساتھ نقل کئے ہیں۔

(۵) روضۃ الواعظین فی احادیث سید المرسلین چار جلدوں میں ہے۔

(۶) تفسیر سورۂ یوسف علیہ السلام۔

(۷) اعجاز موسوی۔ یہ وہی کتاب ہے جس کو مخزن الغرائب میں معجزات موسوی لکھا گیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات میں ایک مبسوط تصنیف ہے جو مطبع عمدۃ المطابع میں ۱۲۷۲ھ میں چھپ بھی چکی ہے۔

ان کے علاوہ اور رسالے اور کتابیں کثرت سے ہیں جو مولانا معین الدین کے قلم سے نکلی ہیں جن کی میں سُراغرسانی نہیں کر سکا نظم میں آپ نے بہت کچھ لکھا ہے آپ کا کلام از قسم رُباعی و غزل و مثنوی کثرت سے ملتا ہے

ایک رسالہ مثنوی میں بھی آپ نے لکھا ہے۔

میرا ایسا خیال ہے کہ اکبری عہد کے مورخین میں مولانا کے متعلق صحیح معلومات تھیں لیکن بعد کے تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات سے بہت کم اعتنا کی ہے۔ مجھے صرف ایک مختصر بیان مولانا کے متعلق تذکرۂ مخزن الغرائب میں ملا ہے۔ جس نے میرے تمام شکوک کو یقین کے درجہ تک پہنچا دیا۔

مجھے نہایت افسوس اور رنج سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ نایاب اور ضخیم تذکرہ اب تک طبع نہیں ہوا ہے۔ مولانا معین الدین کے حالات صاحب تذکرہ کو تین مختلف ذرایع سے ملے ہیں چونکہ وہ نہایت ہی ناکافی و غیر معین تھے اس لیے نتیجہ یہ ہوا کہ مخزن الغرائب میں مولانا کی ذات واحد اقانیم ثلثہ میں تبدیل کر لی گئی اور ایک معینؔ کے تین معینؔ بن گئے۔

اس تذکرہ میں سب سے مقدم۔

(۱) مولانا معین الدین ہروی ہیں جن کے واسطے مصنف تذکرہ کے الفاظ ہیں:

"مولانا معین الدین ہروی فاضل تحریر و دانشمند کامل بودہ کتاب معارج النبوۃ و معجزات موسوی (اعجاز موسوی) و تفسیر قرآن ازو در عالم مشہور است و در تفسیر آں قدر نکات و عجائبات بیان کردہ کہ در ہیچ تفسیر دیدہ نشد و در نظم و نثر کمال مہارت داشتہ علی الخصوص در انشائے محمد (کذا) ایں چند بیت از ذہن مستقیم اوست ؎

چو من ز بادۂ شوق تو مست و بیخبرم | ہمہ جمالِ تو بینم بہر چہ مے نگرم
تو ہر حجاب کہ خواہی فرو گذار کہ من | بغمزۂ کہ زنم صد حجاب را بدرم"

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ غزل جس کا مطلع اور ایک شعر مخزن الغرائب میں درج ہے موجودہ دیوان (طبع نو لکشور ۱۲۸۷ھ) میں صفحہ ۵۶ پر پائی جاتی ہے جس کے کل سات شعر ہیں۔ یہی غزل مولانا کی تصنیف معارج النبوت (مقدمہ فصل اول، تحمید الاول) میں پوری درج ہے اس طرح موجودہ دیوان کو مولانا معین الدین کی طرف منسوب کرنے کے لیے ہمیں یہ پہلا مگر یقینی سراغ ملتا ہے۔ دوسرے

(۲) معین فراہی ہیں جن کے لیے منقول ہے:

"معین فراہی راست ؎

گر فصل بہار آمد کہ عالم سبز و خرم شد | مگر وصل نگار آمد کہ دل با عیش ہمدم شد"

دیوان میں رجوع کرنے سے علم ہوتا ہے کہ یہ پندرہ شعر کی غزل ہے اور صفحات بائیس تئیس پر ملتی ہے اس غزل کے آٹھ شعر مع مطلع بالا کتاب معارج النبوۃ (رکن اول، باب ہفتم، فصل چہارم) میں ملتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ معین فراہی اور مولانا معین الدین ہروی ایک ہی شخص ہیں نیز یہ کہ موجودہ دیوان کے بھی یہی مالک ہیں، تیسرے

(۳) ملا معینی ہیں ان کے متعلق مخزن الغرائب میں تحریر ہے :-

"ملا معینی در زمان اکبر پادشاہ بودہ است ؎

اگر از خواب غفلت سر برآری آن زمان بینی　　　که خورشید تجلی بر در و دیوار مے تابد"

دیوان میں یہ غزل ص۳۵ پر ملتی ہے جس کے چودہ بیت ہیں اس غزل میں شعر بالا بھی موجود ہے اس فرق کے ساتھ کہ قافیہ میں "در و دیوار" کی بجائے "دل بیدار" ہے، اس غزل کا مطلع ہے ؎

چناں از روزن دل نور آن دلدار می تابد　　　که خورشید جمالش از در و دیوار مے تابد

یہ مطلع کتاب معارج النبوۃ (رکن دوم، باب سوم، فصل سوم، ص۶۷ طبع نولکشور) میں بھی ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملا معینی اور مولانا معین الدین ایک ہی ہستی ہیں، مولانا جیسا کہ دیوان اور اُن کی دیگر تصانیف سے معلوم ہوتا ہے اپنا تخلص دونوں طرح سے لاتے ہیں اس غلط خیال کی کہ وہ اکبر کے عہد میں تھے تردید کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اس لیے کہ اس کے متعلق صحیح اطلاع گذشتہ صفحات میں دی جا چکی ہے۔

ذیل میں تذکرۂ حسینی اور تذکرۂ روز روشن کے انتخابیہ اشعار جو خواجہ معین الدین چشتیؒ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں مطالعہ کرتا ہوں۔

تذکرہ حسینی از میر حسین دوست (صفحات ۲۹۴ - ۳۰۲ طبع نولکشور) اس تذکرہ میں خواجۂ اجمیر کے نام پر سب سے پیشتر یہ اشعار درج ہیں ؎

زپیش خویش برافگن نقاب دعویٰ را　　　بہ بیں بدیدۂ صورت جمال معنیٰ را
بحق او کہ بہ کونین دیدہ نکشایم　　　کہ تا نخست نہ بینم جمال مولا را
اگر در آتش عشقت بسوختم چہ عجب　　　کہ کوہ تاب نیاورد یک تجلّیٰ را
معین بچشم خرد جن دوست نماید　　　بہ بیں بدیدۂ مجنوں جمال لیلیٰ را

دیوان میں اس غزل کے سات شعر ہیں اور ص۵ پر ملتی ہے لیکن اس غزل کا دوسرا شعر یعنی "بحق او کہ بکونین الخ"
کتاب معارج النبوۃ رکن اول، باب سوم، فصل دوم، لطیفہ رابع عشرہ کے تحت میں مندرج ہے اور دوسرا شعر کتاب اعجاز
موسوی (ص۲۲۹ عمدۃ المطابع ۲۷۲اھ) میں ملتا ہے اور ظن غالب یہی ہے کہ یہ غزل مولانا معین الدین کی ہے۔

تذکرہ میں روز روشن از مظفر حسین صبا ص۶۳۸-۶۴۰ طبع ۱۲۱۶ھ۔

اس تذکرہ میں خواجہ معین الدین چشتیؒ کے دیوان سے جو اشعار انتخاب ہوئے اُن میں ایک شعر یہ ہے ؎

اینچہ نور است کہ برکون و مکاں تافتہ است ۔۔۔ نور عشق است کہ از مطلع جاں تافتہ است

دیوان میں یہ نو اشعار کی غزل ہے اور ص۹ پر ملتی ہے۔

کتاب معارج النبوت (مقدمہ فصل اول، تحمید عاشر) میں اس غزل کے سات اشعار مع مطلع درج ہیں اور سب سے
اہم یہ امر ہے کہ مصنف نے غزل کی ابتدا میں دعویٰ کیا ہے کہ یہ میری غزل ہے چنانچہ اس کے الفاظ ہیں:-

"للعبد الضعیف نور اللہ قلبہ"

یہ غزل ہم کو مصنف کی اپنی شہادت پر معارج النبوۃ کے مصنف مولانا معین کی طرف منسوب کرنا چاہیے نہ خواجہ معین الدین
چشتیؒ کی طرف۔

درون قصر دل دارم یکے شاہے کہ گہ گاہے ۔۔۔ ز دل بیروں زند خیمہ بہ بحر و بر نمے گنجد

دیوان میں اس غزل کے گیارہ شعر ہیں اور ص۲۵ پر ملتی ہے اور مطلع ہے ؎

مرا در دل بغیر از دوست چیزے در نمی گنجد ۔۔۔ بخلوتخانۂ سلطاں کسے دیگر نمے گنجد

معارج النبوت (رکن اول، باب ہفتم، فصل سیزدہم۔ لطیفۃ الثانیہ) میں اسی غزل کے چار شعر مصنف نے
لکھے ہیں جن میں شعر بالا بھی موجود ہے۔

راہ بکشائی کہ دل میل بہ بالا دارد ۔۔۔ پردہ برگیر کہ جاں عزم تماشا دارد

دیوان میں ص۲۹ پر یہ غزل ملتی ہے جس کے نو شعر ہیں، معارج النبوت (مقدمہ فصل سوم (النعت التاسع)

کے خاتمہ پر کامل غزل مرقوم ہے۔

اندر آئینۂ جاں عکس جمالے دیدم ہمچو خورشید کہ در آب زلالے دیدم

دیوان میں ص۴۲ پر یہ غزل ہے جس میں کل نو شعر ہیں، اسی غزل کے نو شعر مع مطلع معارج النبوت رکن اول باب ہفتم۔ فصل یازدہم۔ لطیفہ خامسہ کے اختتام پر موجود ہیں۔

صفات وذات چو از ہم جدا نے بینم بہر چہ می نگرم جز خدا نمے بینم

یہ آٹھ ابیات کی غزل ہی اور دیوان میں ص۵۲ پر ملتی ہے، معارج النبوت میں رکن سوم، باب چہارم فصل بست و چہارم ص۲۱۹ (نولکشور) پر اس غزل کے چھ شعر مع مطلع و مقطع مرقوم ہیں۔

میں بخوف طوالت مضمون، روز روشن کا مطالعہ ختم کرتے ہوئے گزارش کرتا ہوں کہ اس تذکرہ کے اشعار کا مولانا معین الدین کی تصانیف میں پایا جانا دلیل ہے اس دعوے کی کہ یہ اشعار مولانا معین الدین کے ہیں نہ خواجہ معین الدین کے۔

اب میں صرف اُن اشعار کا ذکر کرونگا جو دیوان اور معارج النبوت میں عام ہیں اور اُن میں سے بھی وہی اشعار لونگا جن کے مصنف ہونے کا مولانا معین کو دعویٰ ہے ؎

چشم بکشائے کہ آفاق پر از نور خداست خالی از نور خدا در ہمہ آفاق کجاست

دیوان میں ص۷ پر یہ غزل ہے اور سات شعر کی ہے، اسی غزل کے تین شعر معارج النبوت میں مقدمہ۔ فصل اول، تحمید السابع میں پائے جاتے ہیں، مصنف اُن کی ابتدا میں لکھتا ہے۔ "لعبدالضعیف"

آتشے افروخت عشق و جسم و جان من بسوخت گفتم آہے بر کشم کام و زبان من بسوخت

اس غزل کے گیارہ ابیات ہیں اور دیوان میں صفحات ۱۱-۱۲ پر ملتی ہے، اس غزل کے نو شعر مع

مطلع کے معارج النبوت میں مقدمہ فصل اول، تمہید العاشر کے خاتمہ پر موجود ہیں ان کے واسطے مصنف لکھتا ہے
" لمؤلفہ غفر اللہ لہ "

یہی غزل اس تصنیف کے رکن اول، باب مفتم فصل ہشتم کے اختتام پر پھر پائی جاتی ہے جس میں آٹھ شعر ہیں
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزل مصنف کو بہت مرغوب تھی کیونکہ وہ اس کی دوسری تصنیف اعجاز موسوی میں پھر دُھرائی
گئی ہے، جہاں صـ ۹۷-۹۸ پر ملتی ہے اور مصنف ابتدا میں لکھتا ہے " چنانچہ فقیر گوید " اسی غزل کے چھ بیت اسی اعجاز
موسوی میں صـ ۱۰۶ پر پھر پائے جاتے ہیں، جن کے لیے دعویٰ کیا ہے " ابیات لمؤلفہ "

آتشے آمد پدید و جسم و جاں یکسر بسوخت　　دل درون سینہ ام چوں عود در مجمر بسوخت

اس غزل کے سات شعر ہیں اور دیوان میں صـ ۱۲-۱۳ پر ملتی ہے، اعجاز موسوی میں پوری غزل صـ ۹۲ پر
موجود ہے اور مصنف کا اس کے لیے دعویٰ ہے " لمؤلفہ فی ہذا المعنی "

کسیکہ عاشق و معشوق خویشتن ہمہ اوست　　حریف خلوت و ساقی انجمن ہمہ اوست

یہ گیارہ شعر کی غزل ہے اور دیوان میں صـ ۱۳ پر نظر آتی ہے، معارج النبوت میں، مقدمہ، فصل اول، تمہید الثامن
کے آخر میں تمام غزل مرقوم ہے اور " لمؤلفہ " مصنف کا دعویٰ ہے۔

یارب ایں صورت کہ در مرآت جاں پیداست کیست　　آنچناں حسنے دریں پردہ نہاں پیداست کیست

دیوان میں صـ ۱۴ پر سات شعر کی یہ ایک غزل ہے، اعجاز موسوی میں یہی غزل صـ ۲۵۹ پر موجود ہے اس کے
ابتدا میں صاحب کتاب " لمولفہ " کہکر اپنی غزل مانتا ہے۔

حمدیکہ ہمچو بحرِ کرم بیکراں بود　　حمدیکہ شکر نعمتِ ہر دو جہاں بود

دیوان میں صفحات ۱۶-۱۹ پر یہ حمدیہ قصیدہ ملتا ہے جس میں ایک کم پچاس اشعار ہیں۔

یہ تمام قصیدہ معارج النبوۃ - مقدمہ فصل اول، تمہید الثانی عشرۃ میں پورا موجود ہے - اس کی ابتدا میں صاحب معارج کے الفاظ ہیں "قال مولف الکتاب ختم اللہ آمالہ بالرشد والصواب" اسی قصیدہ کے چند اشعار اعجاز موسوی کے ص۵۵ پر نظر آتے ہیں اور ان کی ابتدا میں مصنف کا دعویٰ ہے "چنانکہ فقیر گوید"

چشم بکشائے کہ دیدار خدا جلوہ نمود　　　دیدہ شو یکسر و بربند در گفت و شنود

یہ چودہ شعروں کی غزل ص۲۳ پر دیوان میں ملتی ہے فصل پنجم - باب دوم - رکن اول - معارج النبوۃ میں اس غزل کے چار شعر ہیں جن کے واسطے مصنف کہتا ہے - "چنانکہ معین دیوانہ توگوید" اسی غزل کے بارہ شعر مع مطلع و مقطع اسی کتاب کی تمہید الخامس - فصل اول - مقدمہ میں مرقوم ہیں -

---

وقت آنست کہ دل واقف اسرار شود　　　جائے آنست کہ جاں طالب دیدار شود

دیوان میں ص۲۷ پر یہ غزل ہے اس میں ۱۲ ابیات ہیں، اس غزل کے سات شعر معارج النبوۃ - رکن اول باب دوم - فصل پنجم میں آتے ہیں ابتدا میں مؤلف گویا ہے "چنانکہ معین دیوانہ توگوید" اسی غزل کے پانچ شعر مع مطلع معارج النبوت (مطبوعہ) میں رکن سوم، باب چہارم فصل بست و چہارم، در لطائف و اشارات ص۲۱۹ پر پائے جاتے ہیں اور حسب معمول شاعر ابتدا میں کہتا ہے - "چنانچہ فقیر توگوید"

نفحۂ عشق کز اں سوئے جہاں می آید　　　بمشام دلم از عالم جاں مے آید

یہ ص۳۴ - ۳۵ پر دیوان میں سترہ ابیات کی غزل ہے اسی غزل کے چھ بیت مع مطلع فصل پنجم - باب دوم - رکن اول - معارج النبوت میں نظر آتے ہیں ان کے لیے مصنف گویا ہے "چنانچہ فقیر گوید مولوی معین"

اگر بے پردہ نتوانی کہ بینی پرتو ذاتش　　　بذرات جہاں بنگر کہ ہر ذرہ است مرآتش

یہ دیوان میں ص۳۴ پر سات بیتوں کی غزل ہے - معارج النبوۃ - رکن اول - باب دوم فصل پنجم میں اس کے

دو شعر ملتے ہیں اور یہی اشعار مقدمہ۔ فصل دوم۔ مناجاۃ الثالثہ معارج النبوۃ میں بھی آتے ہیں۔ یہاں شاعر کہتا ہے "لمولفہ"

بیا در بزم اوادنی یکے حرفے زمن بشنو ۔۔۔ وزاں اسرار ما او حی یکے طرزی سخن بشنو

یہ سات شعروں کی غزل دیوان میں ص۵ پر آتی ہے معارج النبوۃ (مطبوعہ) میں (رکن سوم، باب چہارم، فصل دوم) ص۱۰ پر اس کے چھ شعر پائے جاتے ہیں اور مصنف ان کے لیے "لمولفہ" کا لفظ استعمال کر رہا ہے۔

از مطلع دل زد علم یک لمعہ از رخسار او ۔۔۔ شد ذرہ ذرہ ہستیم در پردۂ انوار او

ص۷۹ پر دیوان میں یہ پندرہ ابیات کی غزل ملتی ہے۔ مقدمہ معارج النبوۃ، فصل اول، تمہید ثانی کے خاتمہ میں اس کے دس شعر موجود ہیں، جن کو مصنف نے "لمولفہ" کے ذیل میں درج کیا ہے۔ اسی غزل کے تین شعر اسی کتاب کے رکن اول۔ باب سوم، فصل دوم کے اختتام پر پائے جاتے ہیں، جن کے شروع میں مولانا معین فرماتے ہیں "فقیر را دریں باب معنے بخاطر گذشتہ چنانچہ فقیر گوید"

ہستی طلیعہ ایست زنور وجود او ۔۔۔ کونین شبنمے است ز دریائے جود او

دیوان میں ص۱۰۴ پر یہ غزل درج ہے، جس کے گیارہ بیت ہیں۔ معارج النبوۃ میں (مقدمہ۔ فصل اول تمہید السادس کے خاتمہ میں) یہ پوری غزل درج ہے اور ابتدا میں "لمولفہ" آتا ہے۔

پیش ازاں کاستاد فطرت فرش ایواں ساختہ ۔۔۔ پایۂ قدرت فراز کون امکاں ساختہ

یہ غزل دیوان میں ص۸۱ اور ص۸۲ پر ملتی ہے جس میں پندرہ اشعار ہیں۔ معارج النبوۃ کے مقدمہ۔ فصل سوم نعت دوازدہم میں اس غزل کے نو شعر نظر سے گذرتے ہیں مصنف ان کے متعلق کہتا ہے: "قال مولف الکتاب ھداہ اللہ طریق الصواب فی نعت"

اس سے زیادہ مثالیں بہم پہنچانا قارئین کرام کی زحمت کا موجب ہوگا ورنہ بیسیوں اور ایسی امثال پیش کی جاسکتی ہیں جن میں مولانا معین الدین کے ہاں اور موجودہ دیوان میں وہی اشعار موجود ہیں، بلکہ بعض وقت پوری پوری غزلیں عام ہیں جب اس دیوان کی اس قدر غزلیں مولانا معین الدین کی ثابت ہوئی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ہم باقی غزلوں کو مولانا کی زادۂ طبع نہ مانیں اور کل دیوان کو اُنھی کی طرف منسوب نہ کریں جس کے حقیقت میں وہ جائز مستحق ہیں۔ اب تک مولانا معین الدین کی دو تالیفیں میری نظر سے گذری ہیں۔ پہلی یہی معارج النبوۃ اور دوسری اعجاز موسوی۔ بدقسمتی سے معارج النبوۃ کا کامل نسخہ بہم نہ پہنچا، صرف مقدمہ اور تین رکن میری نظر سے گذرے ہیں باقی رکن چہارم اور خاتمہ مجھے دستیاب نہیں ہوئے مولانا ممدوح کثیر التعداد تصنیفات کے مالک ہیں اگر ان تالیفات میں پوری کوشش سے باقاعدہ تلاش کی گئی تو مجھے یقین واثق ہے کہ نہ صرف موجودہ دیوان کی ہر ایک غزل کا اس میں پتہ لگ جائیگا بلکہ اس کے علاوہ اور سینکڑوں نئی غزلیں ہاتھ آئیں گی جو دیوان کے حجم کو المضاعف کر دینگی۔

محمود شیرانی

بالی بیوی سے

(۱)

ترے بھولے سے مکھ پہ ہیں دل و جان فدا کروں
ترے چین پہ سُکھ پہ ہیں مری جان! مٹا کروں
ابھی آنکھ ڈری سی ہے ابھی آگ دبی سی ہے

(۲)

تو کلی ہے نئی نئی ابھی بند ہیں پنکھڑیاں
ابھی سال کٹیں کئی کہ جھپک پڑیں انکھڑیاں
ابھی آنکھ ڈری سی ہے ابھی آگ دبی سی ہے

(۳)

ابھی آیا ہے مَور ہی ابھی پھول ہے پھل کہاں؟
پہ یہ کہتے ہیں طور ہی کہ ہے صبر کا پھل یہاں
ابھی آنکھ ڈری سی ہے ابھی آگ دبی سی ہے

(۴)

ترے ہونٹ یہ لال ہیں نہیں سانس میں گرمیاں
ترے پھول سے گال ہیں نہیں باس میں مستیاں
ابھی آنکھ ڈری سی ہے ابھی آگ دبی سی ہے

(۵)

ابھی چھایا ہی بال پن   ابھی عشق کے دیوتا
نے سکھایا نہیں ہی فن   تجھے تیر کماں کا
ابھی آنکھ ڈری سی ہی ابھی آگ دبی سی ہی

(۶)

تجھے رسم و رواج نے   مری رانی بنا دیا
ترے بالے مزاج نے   ابھی کچھ نہ مزا دیا
ابھی آنکھ ڈری سی ہی ابھی آگ دبی سی ہی

(۷)

ترے مکھ نے پتا دیا   ترے اُٹھتے سُبھاؤ کا
ابھی کچھ نہ پتا ملا   ترے من کے لگاؤ کا
ابھی آنکھ ڈری سی ہی ابھی آگ دبی سی ہی

(۸)

یہی کام کروں بس اب   ترے من کی بھی ٹوہ لوں
تجھے رام کروں بس اب   تری روح کو موہ لوں
ابھی آنکھ ڈری سی ہی ابھی آگ دبی سی ہی

(۹)

ترے کھلنے کے ساتھ ساتھ   ترے دل میں ہو گھر مرا
تری روح جو آئے ہاتھ   مجھے زیست کا پھل ملا
ابھی آنکھ ڈری سی ہی ابھی آگ دبی سی ہی

محمد عظمت اللہ

شاعری کا ایک نظریہ

مترجمہ

(جناب سید ساجد علی صاحب بی اے، بی ٹی مہتمم تعلیمات پربھنی، حیدرآباد دکن)

شاید عنوان کو دیکھکر ناظرین کی زبان سے بے ساختہ نکل جائے گا "شاعری اور اس کا ایک نظریہ! اس کے تو کئی نظریئے ہیں"! بے شک عنوان پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے اور میں خود پہل کر کے اس کے موید وجوہات کو واضح طور سے بیان کئے دیتا ہوں۔ جب ممتاز ادیب شاعری کی ماہیت کے متعلق متضاد رائیں رکھتے ہیں تو کوئی یہ کیسے کہہ سکتا ہے کہ اس کا ایک نظریہ ہے! کارلائل کا قول ہے کہ "شاعری تمام علوم کا جوہر ہے" کال رج کا بیان ہے کہ "نظم انشاء کی وہ قسم ہے جو سائنس کی ضد ہو"۔ ایڈگر پو کہتا ہے کہ "شاعری کو سوائے اتفاقی تعلق کے صداقت یا فرض سے کوئی واسطہ نہیں"۔ برخلاف اس کے شیلے کا بیان ہے کہ "نظم ابدی حقائق حیات کی تقریر ہوتی ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلے کے متعلق مصنفین میں غیر معمولی اختلاف ہے۔ "شاعری پاکیزگی ذہن کا نام ہے" "یہ خیالی تاریخ ہے" "یہ ماثل حیات ہے" "یہ ایک کیفیت ہے جو لمحات تنہائی میں آپ اپنے سے ہم کلام ہوتی ہے"۔ ایسی صورت میں جب کہ ایک چیز کے مختلف اشخاص پر متضاد اثرات ہوں تو اُس کا ایک نظریہ قائم کرنا کیونکر ممکن ہوسکتا ہے۔

اور اس زمانے میں بھی جس کثرت سے اس قسم کے ملہمانہ اقوال کا اظہار ہو رہا ہے وہ کچھ کم قابل لحاظ نہیں۔ چند سال ہوئے کہ کسی اخبار نے ذکر کیا تھا کہ ایک امریکی علمی انجمن نے اعلان کیا کہ جو شخص اس سوال کا بہترین جواب دیگا کہ "شاعری کیا ہے؟" تو اسے انعام دیا جائے گا۔ اس کے پانچ ہزار جوابات وصول ہوئے تھے۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اس موضوع کے متعلق کس قدر نئے نئے خیالات روزانہ پیدا ہوتے رہتے ہیں؟؟

جب صورتِ حال یہ ہو تو میں یہ کس طرح دعوی کرسکتا ہوں کہ شاعری کا کوئی ایک ایسا نظریہ ہوسکتا ہے جبے

حقیقی معنوں میں مسلم کہا جا سکے۔ اب سطور ذیل میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

غالباً یہ واقعہ ہے کہ جو شخص شاعری کی تعریف کرنے کا ارادہ کرتا ہے وہ دوسروں کی تعریفات کو ترچھی نظروں سے دیکھتا ہے اور بزعم خود سمجھتا ہے کہ "میری نظر گہری ہے میں اس تعریف کی گہرائیوں سے بھی پرے دیکھ سکتا ہوں"۔ مگر میں جو روش اختیار کروں گا اور ناظرین سے جس پر عمل پیرا ہونے کی استدعا کروں گا وہ اس کے خلاف ہوگی۔ میں کسی تعریف کو بشرطیکہ وہ سمجھ سوچ کر پیش کی گئی ہو حقیر نہ سمجھوں گا۔ میں سب کو مستند تسلیم کروں گا۔ کیوں کہ بہت ممکن ہے کہ ایک ادیب نے حقیقت کا ایک پہلو، نگینۂ شاعری کا ایک رخ ہی کامل طور پر دیکھا ہو۔ خواہ اُس نے غلطی سے سمجھ لیا ہو کہ یہی ایک رخ مکمل نگینہ ہے۔ اس کے بعد میرا استدلال یہ ہوگا کہ چوں کہ اسم شاعری جس کے متعلق اس قدر اختلاف آرا ہے ایک ہے اس لئے شئے شاعری بھی بالاصل ایک ہونی چاہیئے۔ نیز اس کا ایک ایسا جامع نظریہ ہونا چاہیئے جس میں تمام متضاد اقوال کی سمائی ہو سکے۔ بعینہٖ اس گورکھ دھندے کے مانند جس میں ایک مکمل تصویر بنانے کے لئے ہر ایک جز کی کہیں نہ کہیں ضرورت ہوتی ہے۔ آخر میں جرأت سے کام لے کر ان اجزا کو جمانے کی کوشش کروں گا اور ایک "نظریۂ شاعری" کا تصور حاصل کروں گا۔ میرا یقین ہے کہ یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ کسی قول کو رد نہ کیا جائے بلکہ اس یقین واثق کے ساتھ قبول کر لیا جائے کہ اسے کہیں نہ کہیں جگہ مل سکتی ہے۔

اب فرض کیجے کہ شاعری سے متعلق اس قسم کی چھوٹے چھوٹے مقولوں کا ایک بے ترتیب انبار لگا ہوا ہے کچھ میرے پاس نقل ہیں اور کچھ کتابوں میں محفوظ۔ میں انتخاب کرتا ہوں۔ ناظرین کو چاہیئے کہ انتخاب تو میرے ہی اوپر چھوڑ دیں، ہاں وہ تنقید کر سکتے ہیں اور بطور خود اس کا تصفیہ کر سکتے ہیں کہ میں نے ان کا جوڑ ٹھیک بٹھایا ہے یا نہیں۔

میں اقوال متذکرۂ بالا کے بجائے گوئٹے Goethe کے قول سے شروع کرتا ہوں کیونکہ اس میں دو ایسے امور یعنی وزن اور قافیہ کا ذکر ہے جن سے ہمیں ابتدا ہی سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس نظریہ میں انھیں کوئی جگہ دی جائے۔ خود گوئٹے کی زبان سے سُنئے "میں وزن اور قافیہ کی اس وجہ سے وقعت کرتا ہوں کہ ابتدائً شاعری ان ہی دونوں کی وجہ سے "شاعری" کا قالب اول اختیار کرتی ہے مگر اس کا موثر مخصوص، عمیق عنصر اصلی وہ عنصر جس سے اس کی تخلیق ہوتی ہے جس سے وہ دلوں پر عام محویت طاری کرتی ہے وہی ہے جو شعر کو نثر کرنے کے بعد باقی رہ جاتا ہے۔ یعنی وہ پاکیزہ اور کامل بقیہ عنصر جس کی جھوٹی نقل ظاہری زینت (صنائع و بدائع) کی

بدولت خود اس کی عدم موجودگی میں تو اُتاری جا سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ بذات خود موجود ہوتا ہے تو یہی ظاہری زینت اُس کے اصلی جوہر کو مستور کر دیتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ایک اور اساسی عنصر ایسا بھی ہے جو وزن اور قافیہ سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ یہ بات نہیں کہ ہم ظاہری محاسن کی خوبصورتیوں کو حقیر نظروں سے دیکھتے ہیں۔ مگر سرِ دست ان سے قطع نظر کی جاتی ہے اور جوہر اصلی کی تلاش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

میرے ذخیرہ میں بہت سے اقوال ہیں جو اس تلاش میں مدد دیں گے۔ مثلاً بیکن کا قول جس کا ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے پیش کرتا ہوں "شاعری خیالی تاریخ ہے" اس کے کیا معنی؟ یہ تو ظاہر ہے کہ بیکن تاریخ کو معمول سے وسیع تر معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ اس میں پروفیسر مے سن بھی مدد دے سکتے ہیں۔ وہ شاعری کو ذہن کی اسی قوت سے تعبیر کرتے ہیں جس سے ایک مفروض شے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس موقعے پر مفروض سے وہی شے مراد ہو سکتی ہے جو انسانی حد نظر میں امر واقع کی شکل میں آئے اب خواہ یہ خارجی واقعہ ہو یا ایک ذہنی تصور اور "مصنوعی مفروض" سے مراد ان واقعات کا مجموعہ ہے جو فسانے کی حیثیت رکھتے ہوں۔ یا اُسی طرح پر واقع نہ ہوئے ہوں جس طرح بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن پھر بھی ہماری چشم باطن کے روبرو معرض وقوع میں لائے جا رہے ہوں۔ لہذا جب بیکن شاعری کو خیالی تاریخ سے تعبیر کرتا ہے تو اس سے یہی مطلب ہے کہ شاعر جملہ واقعات عالم سے استفادہ کر کے ایک فسانہ تیار کرتا ہے یا ایسے مواد کی ترتیب دیتا ہے جس کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ حقیقی واقعات کا چربا ہو ایسے واقعات بہت سی نظموں میں درج ہیں کسی کو اس میں شک نہیں ہو سکتا کہ شاعر گرے نے اپنے "گورِ غریباں" Gray's Elegy میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس نے قبرستان میں جا کر خود دیکھا تھا۔ مگر اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مرثیہ واقعات کی صحیح داستان ہو تو ہو مگر اس کی شعریت کا ان پر انحصار نہیں ہے بلکہ کسی اور شے پر ہے۔ جہاں تک کہ اس کی شعریت تعلق ہے اس میں کچھ حرج نہ ہوتا اگر وہ ایسا ہی فسانہ ہوتا جیسا کہ کال رج کا "این شنٹ میری نر" Gray's Elegy۔ اس مقام پر کال رج کا قول کہ "شاعری سائنس کی ضد ہے" درج کرنا مناسب ہوگا۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں کیونکہ شاعری کے اور دو ایسے فرائض ہیں جن سے سائنس احتراز کرتا ہے۔ شاعری خیالی چیزوں سے بحث کر سکتی ہے مگر سائنس اس سے دور بھاگتا ہے۔ شاعری واقعات کو محسوس صورت میں پیش کرتی ہے

اصلی جامہ قائم رہنے دیتی ہی اور بعض وقت آنکھوں کے سامنے ان کی تصویر کھینچ دیتی ہی۔ مگر سائنس اجزا کو یکجا کر کے کوئی تصویر تیار نہیں کرتا بلکہ پرزے پرزے کرکے ان کی تحلیل کرتا ہی۔ علت و معلول کے رشتوں کو ایک ایک کر کے الگ کرتا ہی اور ہر رشتہ کی طرف باری باری سے توجہ کرتا ہی۔

بایں ہمہ اگر مزید غور کیا جائے تو بہت سی سندوں سے اس کی تائید ہوگی کہ تخیلی تاریخ (یا مصنوعی محسوسات شاعری) اور حقیقی تاریخ (یا حقیقی محسوسات عالم موجودات) میں ایک مخفی اتحاد ہی۔ اس کے متعلق اپنے مجموعہ میں سے اور چار اقوال پیش کرتا ہوں:

(۱) لطیف سے لطیف خیالات جو گرمیوں کی شام میں کسی حسن آشنا کنارہ لب جو پر ایک نوجوان شاعر کے دل میں پیدا ہوتے ہیں وہ کسی نہ کسی حیثیت سے ہماری روزانہ زندگی کی تمناؤں اور خواہشوں کا عکس ہوتے ہیں"

(۲) شاعری ایک علمی شئے ہی جس کی بنیاد حقائق پر ہی"

(۳) اگر شاعری حیات و فطرت یا حیات انسان کی مظہر نہ ہو تو وہ بے کار ہی"

(۴) اس کا (نوجوان شاعر کا) مضمون کسی نہ کسی طرح واقعات حقیقی کا ترجمان ہونا چاہیئے"

ان اقتباسات سے ظاہر ہی کہ شاعر کی تاریخ کتنی ہی مصنوعی اور خیالی اور اس عالم سے کتنی ہی بالاتر کیوں نہو بہر نوع اس عالم کی مظہر یا ترجمان ہوتی ہی لیکن کس طرح؟ ترجمانی کا طریقہ کیا ہی؟ شاعر کن معنوں میں حیات فطرت اور حیات انسان کا ترجمان ہوتا ہی؟

اس موقعے پر ایک اور طبقے کے ناقدین سے مدد مل سکتی ہی۔ ان کا قول ہی کہ فطرت اور حیات میں ایک شئے لازم ہی وہ اتفاقی یا عارضی نہیں۔ یا بالفاظ دیگر اس عالم اور حیات میں مشترکہ ایک روح، ایک باطنی حقیقت، ایک منشا ہی اور یہی وصف لازم، یہی منشا، یہی حقیقت ہی جو شاعری میں ظاہر ہوتی ہی اور ان ہی معنوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاعری خواہ وہ خیالی ہی کیوں نہ ہو عالم حقیقی کی ترجمان ہوتی ہی۔ اسی وجہ سے ایمرسن کہتا ہی کہ شاعری "روح اشیاء کو ظاہر کرنے کی دوامی کوشش کا نام ہی" اور ڈرائڈن شاعری کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہی کہ "شعر کی خوبی کا قطعی ثبوت یہ ہی کہ وہ حیات و فطرت کے جزو لازم کو ظاہر کرتی ہو" کارلائل کا قول بھی کہ "شاعری جوہر سائنس ہی" اس میں شامل کیا جا سکتا ہی۔ یعنی بقول ڈرائڈن شاعری بھی سائنس کی طرح تلاش حقیقت ہی کا نام ہی۔ دیگر مصنفین کے اقوال

یہ ہیں کہ "شاعری کی نظر حقیقتِ اصلی و حقیقت مستقل تک پہنچتی ہے"۔ "یہ ایک کلید ہے جس سے رازہائے حیات اور موجودات کی حقیقی روح آشکار ہو جاتی ہے" "اس کا تعلق اُس انتہائی حقیقت عالیہ سے ہے جسے اشیاء کی ظاہرا صورت و شکل سے کوئی واسطہ نہیں بلکہ ان کے منشا سے سروکار ہے" "جس قدر اعلیٰ پایہ کا صناع یا شاعر ہو گا اسی قدر صحت سے ماہیت و حقیقت اشیاء اسے نظر آئے گی۔

اب ہم اپنے نظریئے پر بحث کرتے کرتے اس نقطہ پر پہنچ گئے ہیں کہ شاعر ہماری آنکھوں کے سامنے زندگی کی بیل بوٹوں دار جھالر جو اسی دنیا کی اشیاء معلومہ سے بنی ہوئی ہے۔ پھیلا دیتا ہے۔ اگرچہ یہ شاعر کی تیار کی ہوئی جھالر واقعی اور موجودہ حیات کا لازماً کوئی جز نہیں ہوتی۔ یہ ممکن ہے کہ شاعر نے مواد کو اس طرح جمع کیا ہو کہ مجموعہ محض فسانہ معلوم ہو لیکن شاعر کے وضع کردہ محسوسات، حقیقی اشیاء کی طرف اشارہ اور ان کی تشریح یا ترجمانی ضرور کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ شاعری کسی نہ کسی معنی میں موجودات کے جوہر، حقیقت، روح اور منشا کو ظاہر کرتی رہتی ہے۔

یہ چار لفظ جوہر، حقیقت، روح، منشا ایک دوسرے کے مرادف نہیں ہیں۔ بہتر ہے ...... کہ ان میں سے ہر ایک کو چھوٹی چھوٹی مثالوں میں استعمال کیا جائے اور اُس کے نتیجے پر غور کیا جائے۔ فرض کیجیے کہ نظم کا موضوع شاہ بلوط کا درخت ہو اور کہا جائے کہ اشعار سے شاہ بلوط کا جوہر ظاہر ہوتا ہے تو یہ جوہر کیا ہو گا؟ غالباً یہ اُن خصوصیات کا مجموعہ ہو گا جسے ایک عالم نباتات اُس نوع کے اشجار کے لئے لازم تصور کرتا ہے یعنی فلاں قسم کا ریشہ جڑ، شکل، رنگ وغیرہ تو کیا شاعر شاہ بلوط کا ذکر کرتے وقت اس قسم کی فہرست مرتب کرتا ہے؟ نہیں یہ لازمی نہیں گو یہ ممکن ہے کہ اتفاقاً ان چیزوں کا بیان کر کے شاعر اپنے مشاہدۂ فطرت کی صحت کے لئے داد کا طالب ہو۔ مگر یہ ظاہر ہے کہ شاعری کے فریضۂ مخصوص میں اس قسم کی فہرستِ خصوصیات مرتب کرنا داخل نہیں اچھا۔ اب لفظ "حقیقت" کو آزمایا جائے اور یہ کہا جائے کہ شاعری سے شاہ بلوط کی حقیقت عیاں ہوتی ہے اس کے صاف معنی یہ ہوں گے کہ شاہ بلوط ظاہراً ایک چیز ہے باطناً دیگر اور شاعری اسی شے دیگر کی مظہر ہے۔ اس میں ایک دھندلا سا اشارہ ضرور ہے ہم کو اکثر ایسی نظموں کا خیال ہے جو بہروپ کو اُتار کر حقیقت کو عریاں کر دیتی ہیں۔ مگر اس سے ایک کلیہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اب روح کو لیجے اور کہیئے کہ شاعری سے شاہ بلوط کی روح کا پتا لگتا ہے۔ یہ لفظ ہمیں ورڈس ورتھ کے الفاظ کہ جنگل میں ایک روح ساری ہے"، یا شیلے کے فقرہ "روح فطرت" کو یاد دلاتا ہے مگر وہ اس لفظ کو مخصوص معنوں

یں استعمال کرتے ہیں اور ہمیں ایسے معنی کی ضرورت ہی جو عالم خارجی کے علاوہ اور ہر واقعہ پر بھی چسپاں ہوسکیں۔ عام معنوں میں روح سے ہم کسی چیز کا مَرجع، اُس کی ”رَو“ یا ”اُفتاد“ مراد لے سکتے ہیں۔

شاہ بلوط کی افتاد اُس کا مرجع!! ہاں یہ معنی خیز ضرور ہی۔ مگر اس میں ابہام بھی بہت ہی۔ اچھا اب اخیر لفظ منشا لیا جائے۔ منشائے شاہ بلوط! یہ زیادہ واضح ہی۔ اس سے اس بات کا ضرور پتا لگتا ہی کہ اشیاء علامتیں ہیں وہ تصویری خطوط ہیں۔ اُن میں کچھ مضمر ہی اور ان کے کچھ معنی ہیں۔ یہ اور دوسرے فقروں سے زیادہ مفید نظر آتا ہی۔ اگر شاعری سے تمام واقعات کا منشا معلوم ہوسکے تو اس سے ایک اہم فریضہ انجام پائے گا۔ مگر کیا تمام واقعات کا کوئی مطلب ہوتا ہی۔ کیا ان میں کچھ مضمر ہوتا ہی کیا ان کے کوئی معنی ہوتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دینا آسان کام نہیں۔ مگر مجھے ایک قول یاد ہی جس سے اس کا خاطر خواہ جواب ادا ہوسکتا ہی۔ براوننگ کی نظم فرا لیپولپی میں بعض قابل ذکر فقرے نظر آتے ہیں اور چونکہ یہ الفاظ ایک صناع کی زبان سے ادا کئے گئے ہیں اس لئے ہماری تحقیقات شاعری کے نہایت مناسب ہیں ”اس عالم کو ایک سیاہی کا دھبہ یا سادہ ورق نہ سمجھنا چاہیئے۔ اس کے معنی ضرور ہیں اور وہ معنی ”خیز“ ہیں۔ اور صرف براوننگ ہی کا یہ خیال نہیں ہی بلکہ اور مفکرین بھی اس کے حامی ہیں۔ تو کیا شاہ بلوط اور تمام واقعات کا منشا خیر ہی؟ کیا شاعری اسی خیر کو عیاں کرتی ہی۔ اگر یہ سچ ہی تو کیا یہ ممکن ہی کہ اس لفظ سے مذکورہ بالا دوسرے لفظوں کی موزونیت کا پتا لگ سکے۔ کیا خیر کسی طرح روح، حقیقت، جوہر واقعات ہوسکتی ہی۔ کیا شاعری اسی خیر کو محسوس بناتی ہی۔ کیا یہی شاعری کا فریضۂ عالیہ اور عنصر بنیادی ہی۔

اس خیال سے متعلق جو بات ناظرین کے ذہن میں پہلے آئے گی۔ وہ اس کی علویت اور پاکیزگی ہوگی۔ مگر جب تک ان الفاظ کے صحیح معنی نہ معلوم ہوجائیں اُس وقت تک میدانِ تنقید میں قدم نہیں بڑھایا جاسکتا۔ ہم اُس وقت تک اُن کے مطلب و صحت کا اندازہ نہیں کرسکتے جب تک کہ ان دو خاص الفاظ منشا اور خیر کے معنی متعین نہ کرلئے جائیں اس تعین کی کوشش ضروری ہی اور چونکہ ان دونوں میں سے لفظ خیر زیادہ اہم ہی اس لئے اسی سے شروع کرنا بہتر ہی۔ یہ تو ظاہر ہی کہ اس لفظ کے معنی بہت وسیع ہیں، بلکہ اپنی وسعت میں عالم مادّی کی وسعت سے بھی بالاتر ہی۔ جس خیر کی یہ دنیا مظہر ہی وہ کم از کم اشیائے عالم ظاہر کی خیر پر ضرور حاوی ہی۔ اس میں اشیاء کی وہ تمام افادیت شریک ہی جس کی وجہ سے وہ دنیا میں موجود رہنے کی مستحق ہیں یا اس عالم کے لئے مفید ثابت ہوسکتی ہیں۔ ہر قسم کا

حسن اور قوت (تجریدی معنوں میں) اور ہر قسم کی حسین اور قوی مقرون اشیاء اس میں داخل ہیں۔ تمام اخلاقی اور ذہنی محاسن اس میں جگہ پا سکتے ہیں یہ تمام قوت حیات اور اثریت پر محیط ہے۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ اس عالم اس مجموعہ اشیاء کا منشاء اس سے کم چیز کا ہو سکتا ہے۔ تاہم اس لفظ کا استعمال بلحاظ ضرورت ناکافی ہے۔ اسے اور وسعت دینے کی ضرورت ہے۔ اس میں وہ تمام چیز شامل کی جائے جو اس عالم سفلی میں نظر نہیں آتی ہے لیکن جو کہیں نہ کہیں موجود ہے گو ہمارے اندازے یا تصور سے باہر ہے، جو تخیل کی دسترس سے بیرون ہے، بے پایان ہے، کامل ہے، اگر اس دنیائے عظیم کا منشاء کوئی چیز ہو سکتی تو وہ یہی چیز ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اس میں منشاء کے کیا معنی ہیں؟ اس کا مطلب "مدنظر" مگر "دسترس سے باہر" ہو سکتا ہے یعنی مقاصد عالم مبنی بر چیز ہیں۔ دنیا چیز کامل میں تبدیل ہونا چاہتی ہے مگر یہ چیز (یعنی چیز) بہت دور اور نظروں سے اوجھل ہے یا اس کے معنی علامت کے لئے جائیں۔ جس طرح پتھر پر بعض نشان گنج نہاں کی علامت ہوتے ہیں۔ کون سے معنی زیادہ موزوں ہونگے؟

ہم نے یہ لفظ براؤننگ سے لیا تھا۔ دیکھیں وہ اسے کس معنی میں استعمال کرتا ہے۔ فرا لیوپی کے سیاق مضمون سے تو پتا نہیں لگتا جس مصور کی زبان سے یہ ادا کیا گیا ہے وہ کوئی موشگاف فلسفی نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ شاعری کے لئے کون سے معنی موزوں ہوں گے۔ میری رائے میں وہ آخرالذکر معنی ہیں۔ شاعری ہمارے روبرو اس چیز اکبر و اعلیٰ کو پیش کرتی ہے جو پہلے سے موجود ہے۔ نہ کہ دور دراز زمانہ مستقل میں ملفوف۔ درحقیقت اشیائے عالم ایک حقیقی اور موجود خزانہ کی علامتیں ہیں۔ محض سراب نہیں۔ میری رائے میں "منشاء چیز" کے یہی معنی ہو سکتے ہیں اور یہ صرف میرا ہی خیال نہیں اس کی تائید بہت سے حکما اور شعراء کے اقوال سے ہو سکتی ہے۔ میں انھیں آگے چل کر بیان کرتا ہوں۔ مگر پہلے ایسی شہادت پیش کرتا ہوں جس سے ہم سب آشنا ہیں۔ محسوسات عالم کے پردے میں غیر محسوس موجود اور عظیم "چیز" کی نشانیوں کا پتا لگانے کی قوت شعرا تو اکثر ظاہر کیا ہی کرتے ہیں، مگر عوام میں بھی یہی بلکہ کچھ نہ کچھ ہوتا ہے بعض دنیاوی واقعات سے اس کا القا ہوتا ہے۔ میں نے ایک شخص کو ایک مرتبہ اس قسم کے القا کی حالت میں دیکھا اگرچہ اس میں ادبی یا صنعتی کوئی قابلیت نہ تھی۔ وہ ایک مرتبہ میرے کمرہ میں موجود تھا۔ اور برف کی قلموں کے عجیب و غریب متناسب شکلوں کے بڑے بڑے نقشہ جات کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے انھیں بغور دیکھا اور کہہ اٹھا "ان میں تو جلوۂ فردوس نظر آتا ہے"۔ میرا خیال ہے کہ ہم سب کو اس قسم کا تجربہ کبھی نہ کبھی ہوتا ہے۔ ان پھولوں کے مانند کامل شکلیں اکثر بہشت بریں

یا حیزِ بے پایاں کا نظارہ آنکھوں کے سامنے پیش کردیتی ہیں۔ ایسے مواقع پر ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس عالم کا نشا حیز ہے گو اُس وقت اس کے بتانے یا الفاظ میں ادا کرنے کے لئے کوئی شاعر موجود نہیں ہوتا۔ جن چیزوں سے خود مجھے اس کا احساس ہوتا ہے وہ برف کی قلمیں، ستار کی آواز، قوس قزح، بعض اوقات پھول، مناظر غروب آفتاب یا عظیم الشان پہاڑ ہوتے ہیں۔ یہ اشیاء میرے دیدۂ باطن کو وا کردیتی ہیں اور غالباً اکثر اصحاب ایسی اشیا سے واقف ہوں گے جو اُن پر بھی اس قسم کا اثر کرتی ہیں۔ جہاں تک کہ گاہے گاہے اس حیزِ بے پایاں کے نظارہ کا تعلق ہے اُس حد تک ہم سب شاعر ہیں۔ اگر اس موقعے پر برسبیل تذکرہ یہ سوال کیا جائے کہ اس القا کا مخصوص طریقہ کیا ہے۔ تو پھر براؤننگ ہماری مدد کرتا ہے وہ ایک موقعے پر کہتا ہے کہ "ہر ایک قلب میں ایک عظیم الشان تصورِ کمال کا موجود ہے"۔ غالباً ہم سب میں خود ہمارے شعور میں ہو یا اُس سے پرے۔ ایک خداداد تصورِ "کمال" کا موجود ہوتا ہے جسے ہم مختصراً بہشت کہتے ہیں (ہم میں سے اکثر کو اس کا یقین بچپن ہی سے دلایا جاتا ہے) یہ ایک جہان حیزِ بے نہایت، بے حد قابل ثبات اور جملہ محاسن سے مملو ہوتا ہے۔ جب ہمیں اس دنیا میں اس حسن کی ذرا سی جھلک بھی اتفاقاً نظر آجاتی ہے تو ہمیں یکا یک خیال ہوتا ہے کہ یہی وہ شے ہے جسے اس عالم میں بدرجۂ اتم پائیں گے۔ یہی خیال یوں بھی پیدا ہوسکتا ہے کہ ہم ایک بہترین شے دیکھیں مثلاً برف کی قلمیں، تو ہم سوچنے لگتے ہیں کہ "یہ منظر تو ایسا ہے کہ جسے نظر آنا چاہیئے" یہ تو ہر جگہ موجود ہونا چاہیئے۔ یہ اس قدر کمیاب کیوں ہے؟ جب یہ اس عالم میں آہی موجود ہوتا ہے تو ہر ایک مقام کیوں نہیں اس سے فیض یاب ہوتا ہے۔ اسے تو اس قدر قوی ہونا چاہیئے کہ تمام حد بندیوں کو توڑ دے۔ ایک ایسا عالم ضرور ہونا چاہیئے اور ہونا کیا چاہیئے! ہے جہاں یہ حسن و جمال عام ہے۔ تمام اشیا پر غالب اور قید و بند سے آزاد ہے۔ اگرچہ اس دنیا میں مقید اور محدود نظر آتا ہے"۔

بہر حال کسی نہ کسی نوع سے ہم سب میں "کمال" کا یہ تصور موجود ہے۔ ہمارے نظریہ کے مطابق شاعری کا فریضہ ہے کہ اسے آنکھوں کے سامنے لا کھڑا کرے۔

بہت سے قابل قدر مصنفین کے اقوال اس کی تائید میں پیش کئے جاسکتے ہیں چند مندرجہ ذیل ہیں:۔

میں پہلا اقتباس ایک کتاب "معنی حیز" مصنفہ ڈکنسن سے درج کرتا ہوں۔ یہ ایک فلسفیانہ مکالمہ ہے متکلمین کتاب میں سے ایک شخص حکیمانہ انداز سے بہشت کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہمیں اس عالم کی صحیح تفہیم کے لئے

تخیل فردوس کی ضرورت ہے۔ دوسرا پوچھتا ہے اس ضرورت کی وجہ؟ وہ جواب دیتا ہے کہ ہماری بے چینی بے اطمینانی کی توجیہ کے لئے اس تخیل کی ضرورت ہے کیونکہ ہم جس چیز کا احساس کرتے ہیں وہ اپنے سے الگ ایک اور چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کا حصول بقول تمہارے ہماری قدرت سے باہر ہے۔

اگر اس قول کو برف کی قلموں پر منطق کیا جائے تو کہا جائے گا کہ قلم ہائے یخ چیز ہیں جو ایک اور چیز کا پتا دیتی ہیں، وہ اس عالم میں ناممکن الحصول ہے وہ نہ ہمیں نظر آسکتی ہے اور نہ اس پر ہمارا قبضہ ہو سکتا ہے۔ یہی مصنف اپنے قول کے مطابق بتلاتا ہے کہ اس دنیا کی چیز دوسری دنیا کی چیز کی جانب کیوں رجوع کرتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ بہشت کی سمت اشارہ کرتی ہے کیونکہ ہماری بے اطمینانی کی توجیہ کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ بے اطمینانی کس سے؟ ہمیں ایسی خوب صورت اشیاء سے بھی تو تسلی نہیں ہوتی جیسے کہ برف کی قلمیں یا رباب کے نغمے۔ کیونکہ وہ بہت ہی محدود، کم یاب مختصر اور غیر مستقل ہوتے ہیں۔

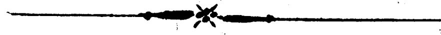
جب ہم اس عالم میں اس کے کہیں کہیں "فردوسیت" کے یہ اشارے پاتے ہیں تو ہمیں ان میں ایسی اشیاء کی حقیقی وصف یعنی عمومیت اور استقلال کی کمی نظر آتی ہے۔ اس وقت تک تسکین ہی نہیں ہوتی جب تک یہ عقیدہ نہیں پیدا ہو جاتا کہ ایک اور عالم ہے جہاں یہ کمالات بدرجہ اتم و بے نہایت موجود ہیں۔ جب ہم میں یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو اس قول کا احساس ہوتا ہے کہ شاعری "القائے ذہن" کا نام ہے۔ مسٹر ڈکنسن نے ہمارے نظریئے کا یہ خلاصہ کیا ہے کہ جس چیز کا ہمیں احساس ہوتا ہے۔ وہ کسی اور چیز کی طرف اشارہ کرتا ہے۔"

ایک شاعر نے بھی اسی خیال کو بڑی سادگی سے ادا کیا ہے۔ مثلاً لانگ فیلو کے مندرجۂ ذیل خیالات کو لو۔

"شاعر کی دوربین اور حقیقت شناس نظر ستاروں اور پھولوں میں اس ازلی و ابدی وجود کے جز کو جلوہ فرما دیکھتی ہے جو اس کے دل و دماغ کا مایۂ حیات ہے۔" بجائے یہ کہنے کے کہ ستارے اور پھول ایک دوسرے بعید چیز کی علامات ہیں۔ لانگ فیلو "وجود محیط" کے ایک جز سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ "چیز بعید" ہی "وجود محیط" اور چیز اکبر ہے۔ تمام موجودات میں اپنی خداداد قابلیت سے اس کے جلوے کو دیکھتا۔ یہی شاعر کی تعریف ہے۔ شاعری کے متعلق ہماری مختصر تحقیق ختم ہوئی۔ اس سے کیا نتیجہ نکلا؟ کیا ہم ایک صحیح اور قابل تسلیم نظریئے کے قائم کرنے میں کامیاب ہوئے؟ اس تحقیقات کا ماحصل تو یہ ہے کہ "شاعری موجودات عالم کو ایسے پیرایہ میں ادا کرتی ہے کہ چیز اعلیٰ

و بے انتہا اور غلوی کی جھلک نظر آجاتی ہی۔ شاعری کے متعلق یہ کہنا کہ اُس کا فرض یہ (مذکورۂ بالا) ہی اُس کے دامن پر دھبہ نہیں ڈالتا۔ اگرچہ بحث کا آغاز متضاد اقوال سے کیا گیا تھا۔ مگر اس مضمون میں میں نے یہ تبلانے کی کوشش کی ہی کہ کس طرح شاعری کا ایک نظریۂ وحید قائم ہوسکتا ہی۔ اس میں شک نہیں کہ بہت سی باتیں رہ گئی ہیں۔ شاعری کے متعلق بہت سے راسخ اعتقادات، شاعری کی بہت سی خصوصیات میرے دماغ میں ہجوم کر رہی ہیں اور مصر ہیں کہ کہ انھیں اس نظریئے میں داخل کیا جائے اور ایک اعتراض تو خاص طور سے ہوسکتا ہی۔ ناظرین یہ کہہ سکتے ہیں کہ مشہور نظموں میں سے بہت سے اشعار انھیں پسند خاطر ہیں، مگر اُن میں کوئی ایسی بات نہیں جسے اس نظریہ سے تعلق ہو۔ اکثر شعرا اُن پر جادو کا اثر کرتے ہیں حالانکہ نہ وہ جنت کا ذکر کرتے ہیں نہ حیز عالیہ کا اور نہ وجود محیط کا اور نہ وہ دل میں ایسے خیالات پیدا کرتے ہیں۔

یہ تمام دقتیں صرف اس وقت رفع ہوسکتی ہیں جب میرے اختیار کردہ طرز استدلال کو ترک کر دیا جائے۔ تمام اقوال تسلیم کئے جائیں اُن کی تنقیح کی جائے اور جب کبھی ایسے اقوال سے دوچار ہونا پڑے جو بظاہر اس نظریہ سے مختلف معلوم ہو۔ تو یقین کر لینا چاہیئے کہ یا تو نظریئے کے معنی اچھی طرح نہیں سمجھے گئے ہیں اور یا متضاد قولوں پر غور نہیں کیا گیا ہی۔ بہتر یہ ہی کہ کسی اور قول کی جستجو کی جائے۔ جس سے دونوں سمجھ میں آ جائیں۔ شعرا کے بہترین اشعار بھی دیکھنے چاہئیں۔ میری رائے یہ ہی کہ اس طرح ایک خیال سے دوسرے خیال تک پہنچنے اور ایک وسیع المعنی نظریہ قائم کرنے میں ذہن کی مفید اور دلچسپ تفریح ہوتی ہی۔



فرہنگِ علمِ ہیئت

(مرتبہ جناب مولوی مرزا محمد ہادی صاحب بی اے رکن دار الترجمۂ عثمانیہ یونیورسٹی)

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

Pullas

پالس

ایک چھوٹے سیارہ کا نام ان سیارات صغار سے جن کے مدارات مریخ و مشتری کے مداروں کے درمیان ہیں ایسرس نے ۲۸ مارچ ۱۸۰۲ء میں دریافت کیا تھا مدت دورہ ۴٫۶۰ سال بعد اوسط ۲٫۷۶۸ بعد ارض کو ایک مان کے مقابلہ کے وقت قدر نجومی تقریباً ۸ ہے اس کے مدار کا انحراف بہت زیادہ ہے ۳۴° ۴۲' ۔

Parabola

قطع مکافی

مخروط کی آڑی تراش جو کنارہ مخروط کے موازی ہو یہ شکل پیدا ہوتی ہے۔ دیکھو بیان قطوع مخروطات مکافی۔ ناقص۔ زاید۔

Parallatic Angle Angle of silnation

دیکھو زاویہ الوضع

Parallax

اختلاف منظر

کسی جرم فلکی کے موضع میں بہ سبب اختلاف مقام ناظر جو اختلاف ہوتا ہے اس لفظ کے معنی موازی کے ہیں

Parallel.

مگر ہیئت میں ایک دائرہ صغیرہ سے مراد ہے جو عظیمہ کے موازی ہو

Parallel Wira micrometer

ایک قسم کا آلہ خورد نما جس میں دو تار موازی لگے ہوتے ہیں جو پیچوں سے ایک دوسرے کے قریب لائے جاسکتے ہیں۔

Parameter — دیکھو ۔ (Latus Rectum)

Partial Eclipse — حیلولت جزئی ۔

کسوف یا خسوف جزئی جس میں قرص کا ایک حصہ پوشیدہ ہو فقط ۔

Pava — طاؤس The peacock

طاؤس ایک شکل جنوبی جو اکطن اور تلیسکریم کے درمیان ہے ۔

Pegasus The Winged Horse — پردار گھوڑا

ذوالجناح ۔ قرص اعظم اشکال شمالی سے ہی ۔ اس میں ایک مشہور ذو اربعۃ الاضلاع ہے جو ا ۔ ح الفرس اور ا اندرمیوی سے بنتا ہے ۔

Penumbra — ظل ثانوی

چاندگہن میں وہ نیم روشن سایہ جو تاریک سایہ کے کناروں پر ہوتا ہے ۔

Periastron — بعد اقرب کوکب مضعف

وہ نقطہ کسی مضعف ستارے کے مدار حقیقی میں جہاں دوسرا رکن اول سے بعد اقرب پر ہو ۔ یہ نقطہ بعد اقرب مرئی پر دائماً منطبق نہیں ہوتا یعنی اس مدار میں جو زمین سے نظر آتا ہے ۔ نقطہ بعد اقرب حقیقی اس طرح مل سکتا ہے کہ مرکز بیضوی مرئی اور کوکب تبوع میں خط وصل کریں اور اس کو بیضوی مرئی تک بڑھادی جائیں اگر اس خط کو دوسری یعنی سمت مقابل میں بڑھالے جائیں تو وہ بیضوی سے نقطہ بعد ابعد پر ملاقی ہوگا ۔

Perigee — حضیض ۔ نقطہ بعد اقرب ماہ

Perihelion — نقطہ بعد اقرب شمس

وہ نقطہ کسی سیارہ یا مدارتارے کے مدار میں جو آفتاب سے قریب ترین ہو ۔ یہ نقطہ اور نقطہ بعد ابعد شمسی دونوں مدار بیضوی کے قطروں کی حدیں ہیں ۔

Period or Periodic Time — مدت دور کوکب گرد آفتاب ۔

وہ مدت جس میں کوئی سیارہ یا مدارتارہ آفتاب کے گرد یا تابع اپنے مطبوع کے گرد گھوم جاتا ہے یہی

اصطلاح مضعف ستاروں کے مشترک مرکز ثقل کے گرد دورہ کے زمانہ کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

Pariod julian

مدت ماوراجولیائی۔

Periodical stars

میقاتی ستارے یعنی وہ ستارے ایک مدت معین اپنے تغیرات کا دور تمام کرتے ہیں۔

Perpetual Day

لفظی معنی ابدی النہار ہیں مراد ہے اراض تسعین وہ دائرہ شمالی کے اندر چھ مہینہ کا دن اور چھ مہینہ کی رات ہوتی ہی۔ دائرہ جنوبی میں جب وہاں دن ہوتا ہے تو یہاں رات ہوتی ہی جب شمالی میں رات ہوتی ہی تو جنوبی میں دن ہوتا ہے۔ ان دائروں کے اندر آفتاب اُفق کے گرد پھرا کرتا ہے۔

Perpetual Night

لفظی ترجمہ ابدی اللیل۔

Perseids

شہب کا تناثر جو پرسیاوش سے نکلتا معلوم ہوتا ہے میقات ۹ - ۱۱ اگست سالانہ پرسیاوش

Perseus

پرسیاوش۔

اشکال شمالی سے ہے

Personal Equation

تعدیل شخصی

مشاہدہ کی غلطی جو کسی شخص کی ذات سے مخصوص بعض کم غلطی کرتے ہیں بعض زیادہ، ستارہ کے اوقات مر میں اس تعدیل کو مادی کرتے ہیں۔ اور اوقات کے مشاہدہ میں بھی ایسی ہی غلطیاں ہوتی ہیں مثلاً قدر نجومی کی تخمین

تین ماہ وسیارات و مدارتاروں اور توابع کی حرکت ہیں۔ بوجہ باہمی جذب انجذاب کے جو اختلافات ہوتے ہیں۔

Perturbations

اضطرابات

Phase

تشکلات

قمر یا سفیئس کی شکلیں اوقات مقررہ میں واقع ہوا کرتی ہیں۔

ہلالی یا نیلی صورت یا پورا قرص۔ کسوف وخسوف کی کلیت اور جزیت بھی اسی میں داخل ہی۔

Phecda

ح دب اکبر Urea magaris × فقدہ

Phobos

فوبس

قریب ترین یا داخلی قمر یعنی تابع مریخ یہ تابع بتوسط کے گرد ، گھنٹہ ۹ ۳ منٹ میں دورہ تمام کرتا ہے بعد مرکز مریخ سے ۵۸۱۹ میل قطر تقریباً ، میل سے زاید ہوگا ۔ اس کو پروفیسر آصف ہال نے ۱۱ اگست ۱۸۷۷ء میں دریافت کیا تھا ۔

Phoenix

(طائر بہشت) ہما

جنوبی اشکال سے ہے ۔

Pholgraphy steller

عکاسی کواکب

فن عکاسی کو ستاروں کی پیمایش اور تحقیقات کے لئے کام میں لاتے ہیں ۔

Pholometer

مقیاس النور

ایک آلہ ستاروں کی نسبتی براقیت کے تخمینہ کے لئے استعمال کرتے ہیں ۔

Photometria scale

پیمانہ روشنی

ایک مقیاس خاص سے ستاروں کی روشنی کا انداز کرتے ہیں جن عددوں سے ایک جرم روشن کی نسبت دوسرے جرم روشن سے ادا کی جاتی ہے اس کو اضافت نور کہتے ہیں ۔ مخرج نور جس پر اہل ہیئت نے اتفاق کیا ہے ۔ ۲،۵۱۱ ہے جس کا بعد عشری ہوگا اثم ۴، . یعنی چار عشر ۴ ہے ۔

Pholometry of the stars

مقیاس نور الکواکب

ستاروں کی روشنیوں کا اندازہ

Phurud الفرد of canis majoris

(کلب اکبر

Pictor (the Painters easel)

اشکال جنوبی سے ہے

Pisces (the Fishes)

احوت

بروج اثنا عشر سے ہے ۔

استقبال اعتدالین کے سبب سے اب نقطہ تقاطع (اول حمل) برج حوت میں آگیا ہے ۔

Piscis Australis

حوت جنوبی

اشکال جنوبی سے ہے اس کا مشہور نام ستارہ فم الحوت ہے۔

Places Geocentric x Heliocon

مرکز ارضی مقام ستارہ کا وہ ہے جو مرکز ارض سے گویا دیکھا گیا ہے اور مرکز شمس موضع وہ ہے جو گویا مرکز شمس سے دیکھا گیا ہے۔

Places Star

مواضع کواکب (ثوابت) ٹھیک مقام ستارہ کا فلک پر بذریعہ مطالع استوائی اور میل یا بعد معدل کے تعین ہوتا ہے۔

Planatary motion

حرکت سیارات۔

یہ حرکت توالی بروج میں یعنی مغرب سے مشرق کی طرف لیتے ہیں یعنی حرکت یومیہ کے سمت مقابل میں اس کو القیمون ساکن قرطبنہ نے پانچ سو برس قبل مسیح معلوم کیا تھا لیکن اور ممالک میں بہت قدیم سے معلوم ہے۔

Planatary Nebuloe

سحابیات سیاری۔

ان سحابیات میں جن کی شکل دائرہ یا بیضوی ہے۔ اکثر ستاروں کے سے قرص نظر آتے ہیں مگر روشنی البتہ مدھم ہوتی ہے۔

Planets Minor or Asteroids

چھوٹے سیارے سیارات صغار۔

ایک مجموعہ چھوٹے سیاروں کا جو مرکز مریخ اور مشتری کے مابین اپنے اپنے مدارات پر آفتاب کے گرد حرکت کرتے ہیں۔ اُن میں وسطاً جو بڑا ۲۰۰ میل قطر سے زائد نہیں ہے سینکڑوں کا شمار پہنچا ہے۔

Planets primary

سیارات اولیہ۔

وہ سیارے جو آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں۔

ترتیب البعاد سے عطارد۔ زہرہ۔ زمین۔ مریخ۔ ہجوم چھوٹے سیاروں کا مشتری۔ یورانس۔ نیپچون (دیکھو مبادی)

Planets secondary

توابع یعنی سیارات ثانوی۔

جو سیارات اولیہ کے گرد گردش کرتے ہیں جن کو اقمار بھی کہتے ہیں۔ ہمارا چاند ثانویات میں ہی لیکن بوجہ بڑے اور روشن ہونے کے قدیم سے اس کا شمار سیاروں میں ہی۔

مریخ کے ۲ دو مشتری کے ۹ زحل کے ۸ یورنس کے ۴ نیپچون کے ۱ دو یہ سب ۲۲ توابع ہوئے۔

Platonic period

دورہ افلاطونی

گردش اعتدالین جس کو اگلے زمانہ میں حرکت فلک ثامن کہتے تھے ۲۵۶۹۵ سال۔

Pleiades

پروین۔ ثریا۔

مشہور گچھا ستاروں کا جو عین الثور ستارہ قدر سوم کے گرد ہیں۔ آنکھ سے صرف چھ ستارے نظر آتے ہیں اور جن کی نگاہ تیز ہوتی ہے ان کو زیادہ نظر آتے ہیں معمولی دوربین سے ۳۱ دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن قوی دوربین سے صدہا تک شمار پہنچ جاتا ہے اور عکاسی کے ذریعہ سے دو ہزار سے زیادہ گنے گئے ہیں۔ ایک لطخہ بھی ان ستاروں کے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ اگلے زمانہ میں حساب سالانہ وغیرہ میں ثریا بہت اہم مرتبہ رکھتی تھی۔

Plumb Line

لنگر۔ خیط یا خط شاقول۔

ایک بھاری وزن بشکل شلجمی جس کی گول چھٹی سطح بالائی پر ایک کنڈا لٹکانے کے لئے لگا ہوتا ہی اور نیچے مخروطی شکل نوکدار ہوتی ہی۔ کنڈے میں ایک خیط یا دھاگا باندھ کے لٹکانے سے اس دھاگے کا رخ زمین کے مرکز کی طرف ہوتا ہے شاقولی خیط سطح افق پر عمود ہوتا ہے۔

سطح کی ہمواری کو ٹھہرے ہوئے پانی کی سطح سے معلوم کرتے ہیں اس مقصد کے لئے ایک آلہ کا استعمال کیا جاتا ہے جس کو پنسال کہتے ہیں۔ پنسال ایک شیشی کی نلی کا کچھ حصہ پانی یا پارے سے بھر کے شیشہ کی نلی کو گلا کے دونوں طرف سے بند کر دیتے ہیں (اس کو مہر سلیمانی لگانا کہتے ہیں) پنسال کو جا بجا رکھ کے ہمواری کی جانچ کرتے ہیں یا گونیا کے ذریعہ سے جس کے راس میں شاقول لٹکتا ہوتا ہے زمین کی ہمواری معلوم کرتے ہیں۔ آلات رصدیہ کے مبادی میں ہموار سطح اور شاقول نہایت ضروری اجزا ہیں

Pointers

قطب نما ستارے۔ معلمین۔ قایدین۔

دو ستارے ا اور ب دب اکبر میں ہیں اگر ان دونوں ستاروں میں ایک خط ملا کے بڑھایا جائے تو یہ خط

قطب تارے (جدے) کے قریب سے گذرے گا۔

نقاط الجہات۔ Points of compass

آلہ قطب نما کی دنیا کے اندر کے دائرہ میں دو خط یا قطر مرکز پر ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے محیط تک کھینچے ہوئے ہوتے ہیں اس میں جہات اربعہ شمال، جنوب، شرق، مغرب کی سمتوں کا نشان ہوتا ہے ان چار سمتوں کے سوا ہر ربع میں آٹھ نشان برابر فاصلوں پر ہوتے ہیں ۹۰ درجوں کو آٹھ پر تقسیم کرنے سے ہر ایک حصہ سوا گیارہ (۱۱¼) درجوں کا ہوا اس طرح چاروں ربعوں میں ۳۲ نشان سمتوں کے ہوتے ہیں۔ اُن کی صورت یہ ہے (ش شمال کے لئے ج جنوب کے لئے ق مشرق کے لئے ب مغرب کے لئے)

ش۔ ش د ق۔ ش ش ق۔ ش ق مع ش۔ ش ق۔ ش ق مع ق۔ ق ش ق ش مع ق۔ ق ش ق

بعد القطب۔ Polar Distance

کسی جرم کا بعد قطب ظاہر یا قطب خفی سے زاویہ یا قوس عظیمہ میں۔ اگر شمالی قطب سے ہو تو بعد القطب شمالی اور جنوبی قطب سے ہو تو بعد القطب جنوبی کہیں گے۔

جدے۔ عوام قطب تارا کہتے ہیں۔ Polaris or Pole-star

ہمارے زمانہ میں قطب شمالی سے قریب ترین روشن تارا جدے یا α دب اصغر ہے اس کی موجودہ دوری نقطہ قطب سے ڈیڑھ درجہ ہے (۱½°) یہ دوری ایک خفیف مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔

قطبین فلک۔ قطب فلکی۔ Poles celestial

کرۂ سمائی کے دونوں قطب وہ نقطہ ہیں جن کی سمت میں زمین کا محور ہے (محور حرکت یومیہ) قطبین ایک موہوم محور کی دونوں حدیں ہیں جن کے گرد تمام اجرام فلکی یومیہ حرکت سے (جس کو حرکت شبانہ روزی یا حرکت مرئی کہتے ہیں) دورہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

Pole star or Polaris (دیکھو قطب تارا Polaris)

قطب ارضی۔ Poles Terrestrial

کرہ زمین کے محور کی حدیں۔

Pollux B geminorum

راس التوام مقدم سب الجوزا۔

Pores of Sun's Surface

مسامات سطح شمس۔

چھوٹے چھوٹے سیاہ داغ آفتاب کی سطح پر دوربین سے دکھائی دیتے ہیں۔

Porrima x Virenis

ج العدرار

Position Angle

زاویہ الوضع۔

زاویہ مابین خط واصل دورکن کوکب مضعف ودائرہ میلیہ۔ وہ میلیہ جوکہ اول میں گذرتا ہے اس زاویہ کا شمار صفر سے لے کے تمام دور (۳۶۰°) تک خط شمالی سے ابتدا کرکے ریاصفر سے ساخت دوربین کے جو الٹا دکھاتی ہے) اور شمال سے مشرق میں گذر کے جنوب میں۔ پھر جنوب سے مغرب میں گذر کے شمال میں مضعف ستاروں میں زاویہ الوضع متزاید ہوتا ہو تو حرکت مستقیم ہے اور جب متناقص ہو رہی ہے۔

Position micrometer

خورد نما جو وضع کے معین کے لئے مستعمل ہے۔

ایک صنف موازی تاروں کے خرد نما کی ہو مضعف کواکب کے اندازہ کے لئے بکار آمد ہے۔

Postvarta γ virginis

ج العذرا کا ایک نام ہے۔

Proesepe (The Bee hive.)

خان النور۔

ایک مجموع النجوم چھوٹے ستاروں کا سرطان میں۔

Precession of Equinoxes

استقبال اعتدالین۔

نقطہ اعتدال کی رجعت بلکہ اول حمل کی حرکت رجعی، خلاف توالی دائرۃ البروج میں یہ حرکت بہت بطی ہے علت اس کی حرکت قطب دائرہ استوائی کی گرد قطب البروج کے مدت اس دور کی ۲۵۶۹۵ سال ہے قدما اس حرکت کو فلک ثامن (فلک البروج یا کرہ ثوابت) کہتے ہیں اس کو ابرخس ذودوسری صدی قبل تاریخی مسیحی دریافت کیا تھا اہل ہنود بھی اس سے واقف تھے۔ ہندی اس کو این انشہ کہتے تھے۔ مگر مدت حرکت میں اختلاف ہے۔ اگر سمت شالباین سے ۴۴۴ کم کرکے باقی کو دقائق مان کے ترقیع کریں تو درجے اور دقیقہ این انشہ کی معلوم ہو جائینگے۔ مثلاً ۱۸۴۴ شاکا سے ۴۴۴ گھٹائے تو ۱۴۰۰ باقی رہے یعنی ۲۳°۲۰ یہ شاکا ۱۸۴۴ کا این انشہ ہو

Primary planets

نصف النہار مبدء۔

Prime meridian

یعنی گرین وچ کا نصف النہار۔

Prime vertical

لفظی ترجمہ ارتفاعیہ اولی۔

ہم اس کو دائرہ اول السموات کہتے ہیں یہ وہ دائرہ ارتفاع ہے جو سمت الراس سمت القدم اور وہ نقطہ جو مشرق و مغرب میں گذرتا ہے۔ چونکہ ہم سمت کا حساب سے کرتے ہیں لہذا یہ صفر یا اول السموت ہی۔ اس دائرہ کا منطقہ دائرہ افق اور قطبین شمال و جنوب میں۔

Priming of the Tide

اسراع چڑھاؤ کے وقت جو کہ محاق اور تربیع اول میں ہوتا ہے اور درمیان استیصال اور تربیع آخر کے شمس و قمر کا جذب مرکب اس کی علت ہی۔

Problem of Three Bodies

مسئلہ اجسام ثلثہ۔

اگر ایک جسم مرکزی عظیم کے گرد دو جسم اس سے چھوٹے حرکت کرتے ہوں تو اس نظام کی اختلاف حرکت کا مسئلہ اس نام سے مشہور ہے۔ موجودہ قوت تحلیل تعلیمی سے اس مسئلہ کا حل دشوار ہے۔ لیکن جب کہ جسم مرکزی نسبتاً بہت ہی بڑا جیسے نظام میں شمس تو تقریبی محاسبہ ممکن ہی۔

Procyon (α canis minoris)

ا۔ کلبا صغر

اس لفظ کے معنی (پروکیوں سگ پیشرو یعنی وہ کتا جو کلب اکبر کے آگے بڑھایا گیا ہے۔ بڑا کتا شعریٰ ہے۔

Projection of the sphere

تسطیح کرہ۔

سطح پر کرہ کا نقشہ بنانا۔ اسطرلاب کے صفحات میں یہ فرض کر کے کرہ کے دوائر کی تسطیح کرتے ہیں کہ ناظر قطب شمالی (یا جنوبی) پر آنکھ لگا کے کرہ کو دیکھتا ہے۔ آنکھ کے تل پر اس مخروط کا راس ہی (نقطہ راس منطبق ہے قطب پر) جو خطوط نظر سے بنتی ہیں اس مخروط کے کنارے کرہ کو ہر طرف سے مس کرتے ہوئے نکلے ہیں۔ اور کرہ پر دوائر کھینچتے ہوئے ان کی تسطیح کی جاتی ہے (دیکھو رسائل اسطرلاب البروتی)

Prolate spheroid

بیضوی کرہ نما۔
ایک شکل مجسم جو بیضوی کے اپنے قطر اعظم پر حرکت کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔

Proper motion

حرکت خاصہ
ستارے جو ثابت کہے جاتے ہیں درحقیقت نہایت بطی حرکت سے متحرک ہیں نہایت باریک اور نازک آلات سے ایک مدّت کے گذرنے کی حرکت محسوس ہوتی ہے اس کا اندازہ صحیح ہوسکتا ہے یہ حرکت خاصہ ان اجرام کی جو برائے نام ثوابت کہے جاتے ہیں۔ یہ حرکت مرکب ہے کوکب کی حقیقی حرکت اور آفتاب کی حرکت فضائی سے جو کہ مرئی ہے۔

Palcherrima (e Bootis)

یہ نام ایک خوبصورت دہرے ستارے کا ہے

Puppis

سفینہ کے ایک حصّہ کا نام ہے۔

Quadraut

ربع دائرہ۔
ربیع مجیب ایک آلہ رصد و حساب ہے جو ہوشیار طالب العلم خود بنا سکتا ہے اور اکثر مسائل کے حل کرنے کے لئے بکار آمد ہے۔ چونکہ اس ربع میں ہر درجہ قوس کے لئے جیب اور جیب التمام کے خطوط بھی کھینچے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے اس کو مجیب کہتے ہیں۔ اس کا بیان مع ترکیب استعمال ایک علیحدہ ضمیمہ میں لکھا گیا ہے۔

Quadrantede

شہب کا تناثر ہر سال کی دوسری جنوری کو واقع ہوتا ہے اس کا مرکز تناثر اکلیل شمالی کے شمال میں ہے اس کے شہاب کی رفتار سریع اور لکیر دور تک بنتی ہے۔

Quadratine

تربیع۔
نظرات کواکب سے ہے۔ جب دو ستاروں میں فاصلہ ربع دائرہ یا ۹۰ درجہ کا ہو تو اس اضافی وضع کو تربیع کہتے ہیں۔ چاند کی تربیع اول و آخر مشہور ہے ایک اور معنی بھی اس لفظ تربیع کے ہیں۔ کسی سطح غیر مربع کے برابر ایک مربع بنانا یا حساب سے معلوم کرنا کہ اس کے رقبہ سے کتنا بڑا مربع بن سکتا ہے یا ایسے مربع کا ضلع کیا ہوگا۔

مثلاً دائرہ کی تربیع یعنی دائرہ کے برابر ایک مربع بنانا۔ عموماً کسی مقدار کے چار حصے کرنا یا چار قسموں میں تقسیم کرنا یہی تربیع ہے۔ تربیع دائرہ کے یہ بھی معنی ہیں کہ دائرہ دو قطروں سے جو علی القوائم متقاطع ہوں چار حصوں میں تقسیم کریں۔

Quarter First and Last جب کہ چاند کا قرص نصف روشن ہو۔

خواہ کمال سے پہلے جب کہ چاند ازائد النور ہوتا ہے یا کمال کے بعد جب کہ ناقص النور ہوتا ہے پہلے شکل کو تربیع اول اور دوسرے کو تربیع آخر کہتے ہیں دونوں صورتوں میں چاند کا فصل بقدر ۹۰ درجہ کے ہوتا ہے۔

Radiad Disturbing force قوت قسری حامل۔

وہ رکن یا ضلع قوت قسری کا جو نصف قطر حامل کی سمت میں اثر کرتا ہے۔

Radiant مرکز تناثر وہ نقطۂ فلکی جہاں سے شہب مخروطی صورت میں پھیلتے ہیں۔

Radiation solar جذب الاشعہ۔

آفتاب سے جو افادۂ نور ہوتا ہے سیارہ اس کو بقدر خود استفادہ کرتا ہے۔ آفتاب سے شعاعیں ہر نقطہ سے ایک مخروطی شکل بناتی ہوئی نکلتی ہیں۔

Radius vector (vectar حامل) نصف قطر حامل۔ بعد حامل

دورہ کرنے والے جسم مثلاً سیارے سے مرکز مثلاً شمس تک جو بعد ہے اس کو حامل کہتے ہیں اگر مدار دائرہ ہو تو حامل نصف دائرہ ہے جس کی مقدار مستقل ہے اگر مدار بیضوی ہو تو حامل کی مقدار بدلتی رہتی ہے اقرب سے اوسط بعد اور اُن کے درمیانی بعد۔ غرض کہ ہر نقطہ مدار پر بعد خاص ہوتا ہے۔

Rasalas (m Leonis) راس الاسد۔

Ras Algthi (a ophiuchi) راس الجاثی۔

Ras Alhagne راس الحوا۔

Rate of clock نجومی گھڑی کا اسراع یا ابطار کا تناسب ایک شبانہ روز میں۔

Reading microscope... آلات رصدیہ کے درجے اور کسرات پڑھنے کے لئے جو خردبین درجہ پڑھنے کی خردبین آلہ کے بازو لگی ہوتی ہے۔

Real Ellipse مدار کواکب مصنف میں جس مدار پر ثانوی اول کے گرد پھرتا ہے۔
وہ مستقل اور ساکن ہے۔ سطح عقب فلکی پر اس کی تصویر نظر آتی ہے یہ مرئی بیضوی ہے جب خط نظر یہ
سطح مدار کی زاویہ قائمہ بناتی ہوئی ہو تو اصلی بیضوی زمین سے مشاہدہ ہوسکے گا۔ یہ واقعہ کمتر واقع ہوتا ہے

Red stars کواکب احمر سرخ ستارے۔
(فہرست کواکب ملاحظہ ہو)

Reflecting circle دائرۂ انعکاسی۔
سدس انعکاسی کے اصول پر ایک دائرہ بناتے ہیں۔ درجوں وغیرہ میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ دیکھو سدس انعکاسی
کا بیان۔

Reflecting Telescope دوربین انعکاسی۔
تصویر شے کی انعکاس کے ذریعہ سے ایک آئینہ میں ہوتی ہے پھر ایک اور چھوٹے آئینہ سے اس کا مکرر
انعکاس شیشہ نظر کے پاس ہوتا ہے۔

Reformation of calendar ۔ اصلاح تقدیم۔ تاریخ مسیحی کی اصلاح
پہلے جولیس قیصر نے تعدیل چہار سالہ کو جاری کیا پھر پوپ گرگوری نے ہر چار سو سال میں تین دن کی تخفیف کی
تاکہ سال رواجی (شمسی اصطلاحی) سال شمسی حقیقی کے مثل ہوجائے۔ گرگوری کی تعدیل سے جس صدی کے عدد کی تقسیم
چار سو سے نہ ہوسکے مثلاً ۱۸۰۰، اس کی فروری ۲۸ دن کی لیتے ہیں لیکن ۱۶۰۰ کی فروری ۲۹ دن کی لی گئی
کیونکہ ۱۶۰۰ تقسیم ہوسکتا ہے ۴۰۰ سے۔ (یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ صدی سے دو نقطوں کو حذف کرکے کبیسہ لینا چاہئے
مثلاً ۷۰۰ اسے نقطہ دور کرنے کے بعد ۷ رہے جو سال کبیسہ نہیں ہوسکتا لہذا فروری ۲۸ دن کا ہوا۔ ۲۰۰۰ کے
دو نقطہ دور کرکے ۲۰ رہا یہ چار پر پورا تقسیم ہوسکتا ہے سال کبیسہ ہے لہذا سال مسیحی میں وقتاً فوقتاً جو کتر بیونت ہوتی رہی
اور پھر ہوگی وہ تاریخ کے ملاحظہ سے معلوم ہوگی خوشا ہمارے سال قمری کا جس کا کلنڈر خود فلک ہے ہر تمامی جاہل
ہلال کو دیکھ سکتا ہے۔ رہا فصول کا اعتبار وہ نوروز کا دن یاد رکھنے سے بہت سہل ہوجاتا ہے۔ نوروز کے دن سے
جو بیس یا اکیسویں مارچ کو ہوتا ہے شمسی مہینوں کی تعداد سے جو اس شعر میں منضبط ہے ہم آفتاب کی سیر کا حساب تقریبی

رکھ سکتے ہیں شعر یہ ہی ہے لاولالب لاولا لاشش است ؛ لل لط ولطال شہور کونہ است ۔ پہلے چھ مہینے سوائے جوزا کے ۳۱ ہیں جوزا میں آفتاب کی سیر تقریباً ۳۲ دن میں تمام ہوتی ہی۔ اس کے بعد اعتدال خریفی واقع ہوتا ہی جو تقریباً ۲۳ ستمبر کو ہوتا ہے اب دو مہینے ۳۰، ۳۰ کے لئے خاص ہیں پھر دو مہینہ ۲۹، ۲۹ کے پھر دو مہینے ۳۰، ۳۰ کے لینے کے بعد سال شمسی تمام ہوتا ہے۔ پھر نوروز سے سال جدید کا محاسبہ کرنا چاہیئے ۔

Refraction

انعطاف

واسطہ کی کثافت سے شعاع کے خط کا سمت کو بدلنا اگلے وقتوں سے معلوم ہی۔ ہوائے محیط یا انعطافی دوربین کا شیشہ شے یا وحشی پر کالہ واسطے ہیں ۔

Refraction Telescope

منظار انعطافی ۔

دوربین کے شیشہ وحش میں جو تصویر انعطافی بنتی ہے وہ شیشہ انسی (آنکھ کے شیشہ پر آنکھ کے لگانے سے) نظر آتی ہے ۔

Regulus (α Leonis)

ا ۔ الاسد ۔

Repetition

تعدیل مشاہدہ مکرر ۔

لفظی معنی اس لفظ کے تکرار یعنی بار بار کسی کام کو کرنا ۔

آلات رصد کے درجوں اور کسرات کو بار بار پڑھ کے سب کو جمع کریں اور جتنی مرتبہ دیکھا ہو اس عدد سے تقسیم کریں خارج قسمت فرض کرو کہ پہلے مشاہدہ سے ۱۵ درجے دیکھے پھر یہ مشاہدہ صفر سے شروع ہوا جس نقطہ کو اب مشاہدہ کیا ہی مثلاً اس مثال میں ۱۵، اس کو صفر قرار دیجے دوبارہ مشاہدہ ۳۰ درجہ پر ہوا اسی طرح اس نقطہ کو صفر مان کے مشاہدہ کو جاری رکھا فرض کرو کہ آخری مشاہدہ سے ۱۲۱ ۲۰ پڑھے گئے اور ۸ مرتبہ مشاہدہ کیا گیا لہذا اس طرح حساب کیا

۱۲۱° ۲۰ / ۸ = ۱۵° ۱۰' ہوا یہ تحقیقی درجہ اور دقیقے ہیں ۔

Reticulated micrometer

خردبین شبکی ۔

ایک جالدار سلسلہ تاروں کا جو زاویہ قائمہ بناتے ہوئے تقاطع کرتے ہیں ۔

Reticulum

شبکہ ۔ اشکال جنوبی سے ہے ۔

Retrograde motion

رجعی حرکت ۔ دیکھو حرکت رجعی ۔

Reversal

دوربین کو پلٹ کے سمت مخالف میں لانا ۔ درستی محور نظر کے لئے ۔ دوربین کے محور عمود جو مشرق و مغرب کے خط پر ہے ۔ مشرقی بازو کو مغربی پایہ پر رکھنا اور مغربی کو مشرقی پایہ پر ۔

Revolution

دور و گردش ۔

ایک جرم کا دوسرے جرم کے گرد دورہ کرنا یا دونوں کے مشترک مرکز ثقل کے گرد ۔

حرکت مدار کو حرکت محوری سے امتیاز کرنا چاہئے ۔ حرکت محوری میں جرم اپنے ہی گرد حرکت کرتا ہے ۔ حرکت دوری میں کسی اور مرکز کے گرد حرکت محوری Rotution حرکت دوری Rovolution

Regel (B orionis)

رجل الجوزا (دیو کی ٹانگ) ب الجبار

یاد رہے کہ جوزا ایک عامی اصطلاح ہے یہ برج جوزا یعنی توامین نہیں ہے ۔

Right Ascension

مطالع استوائی ۔

کسی جرم کا فاصلہ نقطہ اول حمل سے جو دائرہ معدل پر حساب کیا جائے اس کا دوسرا مرتب میل یا بعد کوکب ہے معدل سے شمال سے یا جنوب میں دائرۃ المیل پر یعنی وہ عظیمہ جو ایک قطب معدل سے کسی جرم میں گذرتا ہوا دوسرے قطب میں گذرتا ہے ۔

دائرۃ المیل دائرہ معدل کا ثانوی یا زوج ہے ۔

جب ایک عظیمہ کو دوسرا عظیمہ زاویہ قائمہ پر قطع کرے تو دوسرے کو بہ نسبت اوّل کی ثانوی کہتے ہیں دونوں آپس میں زوج ہیں یعنی دونوں ملکے ایک جوڑ ہوتا ہے ۔

Rings of Saturn

منطقہ زحل ۔ حلقات زحل ۔

ایک نظام جوڑے حلقوں کا زحل کے گرد ہے جو فضا میں بذات خود قائم ہے سیارہ کے جرم کو مماس نہیں ہے اس کے متعلق مختلف قیاسات کئے گئے ہیں ۔ غالباً ایک ہجوم چھوٹے چھوٹے ستاروں (تابعین) کا ہے جو اس قدر کہ قوی دوربین سے بھی فرداً فرداً نظر نہیں آتے ہیں ۔ حلقہ کا عمق شاید پچاس میل سے زیادہ نہیں ہے ۔ دیکھو مبادی منطقہ زحل زیادہ تفصیل مبسوط کتابوں سے معلوم ہو سکتی ہے ۔

طلوع فلکیات۔ Rising of celes tial objects

(فلکیات میں آفتاب ماہتاب سیارے تابع و متبوع ثوابت کے ماؤ انفروضہ نقطے اور قوسین بھی داخل ہے
طلوع اشکال وبروج بھی اسی میں ہی) دائرہ افق پر ظہور کواکب یا مفروضہ نقطہ اور قوس کا از روئے حساب سطح افق پہ ہونا
طلوع ہے۔ اس کا مقابل غروب ہی۔ منازل قمر کے لئے طلوع اور سقوط کہتے ہیں۔
انعطاف شعاع کی وجہ سے ستارہ ابھی سطح افق کے نیچے ہوتا ہی کہ وہ دیکھنے میں طالع ہوجاتا ہے۔

Rotanev B dolphini دب کا یہ قیاس کہ یہ وئیٹر Venator مقلوب ہے۔

Ratation حرکت محوری۔

کسی جرم کا خود اپنے محور پر گھومنا۔ (دیکھو حرکت دوری)

Sadachbia (x aguarii) سعد اخبیہ۔ ج الدلو۔

Sadalmelik (x Aguarii) سعد الملک ۲ الدلو

Sadal sund (Sedalsund) سعد السعود B.C. Aguarii

برج دلو کے دو ستارے

Sagitta (The Arrow) سہم اشکال شمالی سے ہے

Sagittarius (The Archer) تیرانداز الرامی

عموماً قوس کہتے ہیں بروج سے ہی۔

Saros. خالدیہ کے قدیم علمائے ہیئت نے ایک دور ایجاد کیا تھا۔

عقد میں قمر اور آفتاب کی حرکت کا مشترک مخرج ہی۔ مدت دورہ عقدتین ۳۴۶،۶۲۴۴ یوم اس عدد کو ۱۹ سے
ضرب کیا ۶۵۸۶،۲۳۶ ایام = ۲۲۳ شہور قمری جس کے ۶۵۸۵،۲۹ ایام ہوتے ہیں یعنی ۱۸ سال ۱۱ دن۔ اس
مدت میں کسوف و خسوف کی تعداد تقریباً مساوی ہوگی۔ اس مدت میں ۷۰ خسوف و کسوف ہوتے ہیں ۲۹ خسوف اور ۴۱ کسوف۔

Satellites توابع سیارات۔

وہ چھوٹے ستارہ جو گرد سیارے کے دورہ کرتے ہیں جن کو اقمار کہتے ہیں۔

ہمارے سیارہ یعنی زمین کا چاند اکلوتا ہی۔ مریخ ۲ مشتری ۵ زحل ۸ یورانس ۴ نیچوں ۲ = جملہ ۲۲ ہوئے۔

Saturn

زحل :

مشتری کے بعد سب سے بڑا سیارہ اس نظام کا ہی۔ مدت دورہ ۲۹ سال ۱۶۷ دن بعد اوسط ۸۸۵۰۰۰۰۰۰ میل قطر بحساب اوسط ۷۲۰۰۰ میل زمین کے قطر سے ۹ گنا تقریبًا۔ زمین کے حجم سے اس کا حجم ۷۰۰ مرتبہ زیادہ ہی مگر یہ سیارہ ہلکا ہے لہذا مایہ صرف ۹۴ گنا زمین کے مایہ کا ہے۔ اس کے گرد ایک عجیب وغریب نظام حلقوں کا ہی جس کو منطقہ زحل کہتے ہیں۔ (دیکھو مبادی زحل)

Schead (B Pegasi)

الصدر۔

ب الفرس الاعظم۔ یہ متغیر ستاروں میں ہے۔

Scintillation

جھلملانا۔ (پنجابی ٹمٹمانا)

Scorpis

بچھیک کژدم۔ العقرب۔

بروج جنوبی سے ہے۔

Sculptor

(مکان بت گر)

اشکال جنوبی سے ہی۔

Season

فصل موسم۔

دن رات کے طول کا تغیر۔ کیونکہ زمین کا محور سطح مدار پر مائل ہی۔ دیوجانس اپولونیہ کے رہنے والے نے میلان محور کو ساڑھے چار سو برس قبل مسیح کے دریافت کیا تھا۔

Sections conic.

قطوع مخروط

Secondary

ثانوی

یہ اصطلاح سیارات کے توابع یا اقمار کے لئے مقرر ہے۔

وہ عظیمہ جو کسی عظیمہ کے قطبین میں گذرتا ہو اس کو بھی ثانوی کہتے ہیں۔ دونوں زوج یا ایک جوڑ ہیں

Sector dip

دیکھو آلہ انخصاص افق۔

آلہ تمام ارتفاع — Sector zenith

آلہ جو سمت الراس کسی جرم کے بعد اندازہ کے لئے استعمال کرتے ہیں یہ اکثر سدسی دائرہ ہوتا ہے۔

اسراع حرکت قمر — Secalar Accelaration of the moon's motion

زمین کے گرد ماہ کی گردش کا زمانہ بہت خفیف تناسب سے کم ہوتا جاتا ہے یعنی قمری مہینے چھوٹے ہوتے جاتے ہیں ہر صدی میں بقدر گیارہ سکنڈ حرکت وسط قمر میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ یہ اسراع زمین کے مخرج استدارہ پر اور کچھ یوم نجومی میں خفیف کمی سے عارض ہوتا ہے۔

اختلافات کونی — Seculor Variations

وہ اختلاف سیاروں کی حرکت کے جو باہمی اوضاع پر موقوف نہیں ہیں۔ مدت بعید کے بعد یہ اختلافات محسوس ہوتے ہیں منجملہ زمین کے مدار کے خروج استدارہ کی مقدار ہے۔ جس میں خفیف زیادتی اور کمی ہوا کرتی ہے۔

۲ القرس — جدی ثانیہ $\times x^2$ capricornees — Secunda giedi

علم سطح قمر — Seluagraphy

اس کو قمر سے وہی نسبت ہے جو کہ جغرافیہ کو سطح ارضی سے ہے۔

الحیہ اشکال آسمانی سے ہے — Serpions

ستینی — Sexagesimal

اگلے زمانہ فلکیات کے لئے حساب میں نظام ستینی کو نہایت موزوں اور مناسب خیال کیا ہے۔ چنانچہ دائرہ کی تقسیم ۳۶۰ درجوں میں جو سوائے ۷ کے جملہ احاد کا مخرج مشترک ہے پھر ہر درجہ کو ۶۰ دقیقوں اور ہر دقیقہ کو ۶۰ ثانیوں میں علیٰ ہذا القیاس عاشرہ تک۔ قدیم علماء ہیئت نے ظرف صعودی میں بھی ستینی نظام کو جاری کیا تھا۔ یعنی ہر عدد کو ۶۰ کی میزان لاکر حساب کرتے تھے۔ اس عمل کو ترقیع کہتے تھے مثلاً سال شمسی کا ستینی عدد یعنی مرتوع ۶۵ یوم ہے اور سال قمری کا موتوع ۵۹ یوم اس کے لکھنے کا طریقہ بھی رقوم ہندیہ میں رائج نہ تھا بلکہ حساب جمل پر تھا۔ جس کے عدد صفر سے لیکے ۵۹ تک حسب ذیل ہیں۔

ھا اب ح رہ د ر ح ط ے یا ب یح ید ہو بر یح یط ک ما مب کح مد مو مز مح مط ل لا

لب لح لد لہ لو لز لح لط م ما مب مج مد مہ مو مز مح مط ن نا نب نج ند نہ نو نز نح نط

اس حساب میں جیم کو ابتر یعنی دائرہ کے بغیر خط لکھتے ہیں اور ہائے حطی کو مع دائرہ لکھتے ہیں ما یعنی ۱۱ کو بغیر نقطوں کے ۱۱ یعنی ۲۱ مرکز الٹا اسی طرح الف ۲۲ ۲۲ و ۲۳ وغیرہ نون کو دائرہ کی صورت میں مع نقطہ ن لکھتے ہیں تاأتب وغیرہ ۵۱ و ۵۲ وغیرہ مع نقطہ کے لکھتے ہیں پورے ۶۰ کو ا یعنی مرتوع مرۃ ۱۲۰ کو ۱۶ (ع و مرتوع مرۃ ع ۲ مرتوع مرتین ع ۳ مرتوع ثلث مرات لکھنا چاہیئے - اگلے زمانہ میں مرتوع مرۃ اور زمین اور ثلث مرات وغیرہ عبارت میں لکھتے تھے مرتوع مرۃ ایک سے لیکے ۵۹ تک ۶۰ کے تضعیفات ہیں پھر مرتوع مرتین یعنی ۶۰ کے مجذور (۳۶۰۰) اس کا شمار بھی ۵۹ تک جاکے پھر ۶۰ کے مکعب کا درجہ ہے ہماری تمام جدولیں ستینی میزان سے بنی ہوئی ہیں - مثلاً ایک دن کے کسرات گھڑیاں پل بپل وغیرہ گھڑی جو ۲۴ منٹ کے برابر ہے ایک دقیقہ یومی ہے پل ثانیہ یومی ہے - بپل ثالثہ یومی ہے - گھڑی کا دوسرا نام طاس ہے اس کی جمع طاسات ہے -

Sextans

سدسہ

اشکال فلکی سے ہے جو اسد اور مدار کے مابین ہے -

Sextant

سدس

اس کو اصطلاحاً سدس انعکاسی کہتے ہیں -

آلات رصدیہ سے زاویوں کی پیمائش کے لئے اس میں دو چھوٹے آئینہ اور ایک چھوٹی سی دوربین اور ۶۰ درجہ کی قوس پیتل کی بنی ہوئی درجہ اور کسرات پر منقسم ہوتی ہے - اس آلہ کی بنا کا اصول یہ ہے کہ جو زاویہ درمیان اول و آخر شعاع کی سمتوں میں جس کا مکرر انعکاسی ہوتا ہے ایک ہی سطح میں وہ دو چند میلان دونوں سطحوں کے برابر ہوتا ہے یہ آلہ جہازرانی میں بہت بکار آمد ہے -

Shadow

ظل سایہ

قدیم علم ہیئت میں سایہ کا حساب دو طرح سے ہوتا ہے شخص یا شاخص اس جسم کو کہتے ہیں جس کے سایہ سے حساب کرتے ہیں اکثر مخروطی شکل کا شاخص مسجدوں میں ظل مثل و مثلین یا ظل اقدام کے لئے موجود رہتا ہے ہندی اس کو شان کو کہتے ہیں شاخص کی جگہہ - میخ آہنی یا چوبی یا منارہ وغیرہ رصدخانہ کے اجزا سے ہے - سایہ دو قسم کا ہے ایک ظل اول یعنی وہ سایہ جس کا شاخص متوازی مثلاً دیوار میں کوئی میخ متوازی افق لگا ئی

گئی ہو دوسرا سایہ ظل ثانی جب کہ شاخص سطح افق پر عمود ہو۔

ظلِ اول کی ابتدا طلوع آفتاب سے ہے اور جب آفتاب سمت الراس (غایت ارتفاع) پر پہنچتا ہے تو یہ سایہ اپنی انتہا کو پہنچتا ہے اور ظل ثانی طلوع کے وقت انتہا کو پہنچا ہوا ہوتا ہے (بلکہ لامتناہی ہوتا ہے) اور جب آفتاب سمت الراس پر پہنچتا ہے تو بالکل غایب ہو جاتا ہے (اگر آفتاب ٹھیک سمت الراس پر ہو) یا بہت ہی کم رہ جاتا ہے جب ایک ظل انتہا کو پہنچتا ہے تو دوسرے ظل کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ ظل اول کو ظل معکوس کہتے ہیں اور ظل دوم کو مستوی کہتے ہیں۔ ظل اول کو اعمال نجومی میں استعمال کرتے ہیں اور اس کا مقیاس ۹۰ درجہ کا ہوتا ہے یا اس کو مقیاس واحد مانتے ہیں۔ ظل دوم کو وقت کی پہچان کے لئے کام میں لاتے ہیں اور اس کے مقیاس کو ۷ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس کو ظل کہتے ہیں ۱۲ حصوں میں تقسیم کر کے اصابع کہتے ہیں یا ۶۰ حصے کرتے ہیں اس کو اجزا کہتے ہیں ظل مستوی و معکوس علم ہیئت میں وہی ہے جو کہ علم ہندسہ اور مثلث میں مماس اور مماس التمام ہے

Shaulah & scropu شولہ

شولہ العقرب بچھو کی دم یا ڈنک۔

اس کو الابرہ سوئی یا ڈنک بھی کہتے ہیں (اور العقرب) منزل قمر کا نام ہے دیکھو منازل قمر۔

Sheliak شلیاق B Lyroe

اشکال شمالی سے ہے۔

Sheratan شرطین

برج حمل کے دو ستاروں کا نام ہے۔

Shooting stars

شہیب ثاقبہ۔ ٹوٹنے والے یا گرنے والے تارے۔

ٹوٹنا ہماری اصطلاح میں ہے اور گرنا انگریزی اصطلاح ہے۔ تاروں کے ٹوٹنے کی جو سیر اُن کو بھا گئی یہ انشاں لگا لگ کے چھڑائی تمام رات۔ گو کہ اصطلاح غالب میں کوکب ثوابت کے لئے مستعمل ہے لیکن نجومی کو زیادہ قوت ہے۔

Sidereal نجومی

Sidreal month ماہ نجومی۔

قمری کی سیر ثوابت میں۔ حرکت خاصہ قمر۔ اس کی مدت ۲۷ دن، ۷ گھنٹہ ۴۳ منٹ ۱۱٫۴ سکنڈ ہے۔

Sidreeal noon نصف النہار نجومی

ممراول حمل سے اعتبار اس وقت کا ہے اس کی ایک جدول مشہور ستاروں کے نصف النہار پر گذرنے کے لئے جداول نجومی میں ہوتی ہے۔

Sidereal period کسی سیارہ کا بہ حوالہ ثوابت آفتاب کے گرد پھر جانے کی مدت۔

Sidereal Time وقت نجومی

نصف النہار نجومی یعنی اول حمل کے نصف النہار پر گذرنے سے جس کو ممراول حمل کہتے ہیں دوسرے ممر تک ایک یوم نجوم ہوتا ہے۔

Sidereal year سال نجومی۔

آفتاب کا دورہ ثوابت میں اس کی مدت ۳۶۵ دن، ۶ گھنٹہ ۹ منٹ ۹ سکنڈ ہے تقریباً ۲۰ منٹ سال شمسی سے زیادہ ہے اور سال مرکزی سے ۴½ منٹ کم ہے۔

Siderites شہابی پتھر جن میں لوہا غالب ہے۔ گویا لوہے کا بنا ہوا ہے۔

Siderolites شہابی پتھر جن میں لوہے کے ساتھ حجری مادہ شامل ہے۔

Signs of zodiac Asic

1- Sries (The Ram) 2- Taurus (The Bull)

3- Gemini (The Twins) 4- Cancer (The Crab)

5- Leo (The Lion) 6 Virgo (The Virgin)

7- Libra (the Balance) 8 Scorpid (The Scorpion)

9- Sagittarins (The Archer) 10- Capncornus (The goot)

11- Aquarins (The Water Bearer) 12- Pisces (The Fishes)

بارہ برج جن میں دائرہ طریق الشمس گزرتا ہے۔ چھ شمال اور چھ جنوب میں ہیں۔

حمل - برہ - میکھ - ثور - گاؤ - برکھ - جوزا - دوپیکر - متھن - سرطان - خرچنگ - کرک - اسد - شیر - سنگھ سنبلہ - خوشہ - کنہان - میزان - ترازو - تلا - عقرب - کژدم - برچھیک - قوس - کمان - دھنش - جدی - بز - مکر - دلو ڈول - کنبھ - حوت - ماہی ہیں ۔

عربی جوزا کو توامان کہتے ہیں ۔ سنبلہ کو العذرا قوس الرامی دلو کو ساکب الما بھی کہتے ہیں ۔ دائرہ البروج کو منطقہ الحیوانات بھی کہتے ہیں جو زودیک کا ٹھیک ترجمہ ہے ۔

چونکہ لاطینی اور دوسری فرنگی زبانوں میں علم ہیئت عربی کتابوں کے ترجمہ سے حاصل کیا گیا تھا اس لئے صدہا اصطلاحیں یا اصلی عربی الفاظ بگڑی ہوئی صورت میں ہیں یا ٹھیک عربی کا ترجمہ کرلیا ہے بعینہ آج کل اردو میں ہم یہی کرتے ہیں ۔

Sirens شعریٰ (x canis magoris) the dog star ملب

یہ سب سے روشن تارہ ہے اس میں بہ نسبت مقدار اول کے ستاروں کے دو چند روشنی یا چمک ہے الطایر یا العذرا کے مقابلہ میں ۔

Sirrah (x Andromeda) اندرمیدیٰ

Situatian Angle. زاویہ المقام

وہ زاویہ جو کہ درمیان دائرہ المیل اور دائرہ العرض کے جو کسی ستاروں میں گذرتا ہے ۔

SKal (Aquarii) رالدلو

Small circles سطح کرہ کے چھوٹے دائرہ یعنی وہ جن کی سطح مرکز میں نہیں گذرتی دائرہ صغیرہ ۔

Solar شمسی

Solar Cycle دائرہ شمسی ۲۸ جولیائی برسوں کا ۔ جب کہ ہفتہ کے پہلے دور کی تاریخوں میں پڑتے ہیں ۔

Solar Day یوم شمسی

نصف النہار سے دوسرے نصف النہار تک یا نصف اللیل سے دوسرے نصف اللیل تک شمس مرکزی جسم ہے اس کے گرد کل سیارے اور ان کے اتباع اور دمدار تارے ان سب کے مجموعہ کو نظام شمسی کہتے ہیں ......

Solar System

Salar Time

وقت شمسی

آفتاب کے مرسے دائرہ نصف النہار پر اس کا شمار ہوتا ہی۔ نصف النہار پر آفتاب کے گذرنے کا وقت نصف النہار مرئی کہی جاتی ہے۔

Solar Year

سال شمسی۔

Solstice

انقلاب۔

وہ نقطے دائرۃ البروج کے جو معدل النہار سے میل کلی کے فاصلہ پر ہیں انقلاب صیفی جب شمال میں آفتاب معدل سے غایت پر ہو انقلاب شتوی ایسا نقطہ جنوب میں راس السرطان نقطہ انقلاب صیفی ہے اور راس الجدی نقطہ انقلاب شتوی ہے۔ یہی دونوں نقطے اطول نہار اور اطول لیل کے بھی۔ اول گرمی میں دوسرا جاڑے میں پڑتا ہے۔ نیم کرہ جنوبی میں اس کا عکس ہے۔

Southing

جب جرم کوکب دائرہ نصف النہار پر گذر کے مائل بجنوب ہو تو اس کو نزول جنوبی کہتے ہیں یہ اس صورت میں ہوگا جب کہ نقطہ مر نقطہ سمت الراس سی جنوب میں واقع ہو۔

South polar Distance.

بُعد کسی جرم کا قطب جنوبی سے

اگر اصطلاح قطب ظاہر اور قطب خفی کو یاد رکھیں تو شمال وجنوب کی قید کی ضرورت نہ ہوگی اور اس طرح کہہ سکیں گے بُعد کوکب قطب ظاہر سے بعد کوکب قطب خفی سے جو ہمارے نصف کرہ میں قطب ظاہر ہے وہ جنوبی نصف کرہ کے لئے قطب خفی ہے اور بالعکس۔

Specific gravity

وزن نوعی

ارشمیدس کے وزن نوعی کا دریافت کرنا مشہور ہے۔ اجسام صلب اور مائعات کے اوزان نوعی کا مقابلہ پانی کے حجم سے کیا جاتا ہے اور ہوائیات کا مقابلہ معید روجن گیس کے حجم واحد سے۔ زمین کا وزن نوعی پانی کے حجم کو مقیاس واحد مان کے ۵½ ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ اگر ایک کرہ پانی کا زمین کے کرہ کے برابر ہو اور اس کے وزن کو اکائی فرض کریں تو زمین کا کرہ اس سے ساڑھے پانچ مرتبہ وزنی ہوگا۔

تحلیل الشعاع Spectrum Anulysis

اجسام منیرہ مستتر کے اجزائے ترکیبی کو شیشہ کے ایک منشور یا چند منشورات کے نظام میں سے اس کی شعاعوں کے گذرنے سے کیا جاتا ہے۔ تاریک خطوط آفتاب اور ثوابت کے منظرہ (سطح محل الاشعر) پر نظر آتے ہیں اس کی تحریر دل کا مقابلہ بعض ارضی جوہروں کے التہاب کی چمکتی ہوئی لکیروں سے کرتے ہیں اسی طرح منظرہ پر ڈال کے اس تحلیلی طریقہ سے نیرات فلکی کی کیمیاوی ترکیب کا قیاس کیا جاتا ہے۔ آفتاب اور کواکب کے منظرہ پر تاریک خطوں کے ظہور کا یہ سبب ہے کہ ملتہب ارکان جو اجرام فلکی میں ہیں ان کی روشنی بخارات میں جذب ہوتی ہے جو اُن کے التہاب سے پیدا ہوتے ہیں۔ اب اس قسم کی تحلیل علم ہیئت کی تحقیق میں عکاسی کے ساتھ ضم کرکے بہت مستعمل ہے اس کے ذریعے اجسام نیرہ کی تقسیم ممکن ہے اور خط نظر میں ان کی حرکات کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔

مراۃ انعکاسی Speculum

انعکاسی دوربین کے بڑے آئینہ کو کہتے ہیں۔ خواہ فلزات کو صیقل کرکے بنائیں خواہ شیشہ میں خاص تقویس پیدا کرکے اس پر چاندی چڑھا کر جلا کریں۔ یہ اخیر طریقہ بہت مروج ہے جس کو آئینہ مفضض کہتے ہیں۔

سپہر Spsire

اگر دائرہ کو اپنے قطر پر گردش دیں تو کرہ پیدا ہوگا۔ چونکہ دائرہ کے محیط پر ہر نقطہ مساوی بعد پر ہوتا ہے اور دائرہ کی گردش سے کرہ بنتا ہے لہٰذا کرہ کی سطح پر ہر نقطہ مرکز سے برابر دوری پر رہے گا کسی سطح کی تراش سے جو مرکز میں گذرے جتنے دائرہ پیدا ہوں گے وہ سب گردش کرنے والے دائرہ کے برابر ہوں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس سے بڑا کوئی دائرہ کرہ کی تراش میں نہیں پیدا ہوسکتا اور دائرہ سے جو کرہ کی تراش میں پیدا ہوں گے یعنی وہ جن میں سطح قاطع مرکز میں نہ گذرے بڑے دائروں سے چھوٹے ہوں گے ان میں جو دائرہ جس قدر مرکز سے قریب تر ہوگا اتنا ہی بڑا ہوگا محور کرہ کا وہ قطر دائرہ اصلی کا ہے جس کے گرد دائرہ کے حرکت کرنے سے کرہ بنا ہے اس کی دونوں حدیں دو نقطے ہیں جو قطبین ہیں ابتدائی دائرہ کے حوالہ سے خواہ عظیمہ ہو خواہ صغیرہ جو نقطہ کرہ کی سطح پر دائرہ مفروضہ کے محیط سے برابر فاصلوں پر ہو وہ اس دائرہ کا قطب ہوگا اسی طرح دوسرا نقطہ جو صرف مقابل پر واقع ہو بشرطیکہ جو خط قطب مذکور اور دائرہ مفروضہ کے مرکز میں ملاکے بڑھایا جاوے وہ طرف مقابل کرہ کی سطح پر مبنی ہو۔ وہ دائرہ

جو دائرہ عظیمہ کے قطبین میں گذرتے ہوئے کھینچے جاویں وہ دائرہ مفروضہ کے محیط کے ثانویات ہوں گے کسی دائرہ کے قطبین میں گذرتے ہوئے بے شمار دائرے کھینچے جا سکتے ہیں جو دائرہ مفروضہ کے محیط کے کسی نقطہ پر گذرتے ہونگے لہذا ایک دائرہ کے متعدد ثانویات ممکن ہیں۔ کرہ کے دائروں کے نصف قطر دو حیثیتوں سے لئے جاتے ہیں ایک سطح مستوی پر دوسرے سطح کروی پر ظاہر ہے کہ کروی نصف قطر سطح نصف قطر سے چھوٹا ہوگا۔ دائرہ عظیمہ کی قوسوں کو کرہ کی سطح پر وہ حیثیت حاصل ہے جو کہ خطوط مستقیمہ کو سطح مستوی پر۔ جس طرح خطوط مستقیمہ سے اشکال مثلث اور ذوار بعہ الاضلاع بن سکتے ہیں اسی طرح خطوط قوسی سے بھی بن سکتے ہیں اور اُن کے خواص بھی مثل خواص اشکال سطحی کے ہوتے ہیں سب سے زیادہ مفید شکل کروی مثلث ہے۔ اُس کے خواص اور احکام مثلث سطحی کے مشابہ ہیں۔

مثلث کروی میں بھی مثل مثلث سطحی کے چھ رکن ہوتے ہیں تین ضلع اور تین زاویہ۔ فرق یہ ہے کہ مثلث کروی میں ضلع اور زاویہ کی پیمائش درجوں اور دقیقوں سے کی جاتی ہے نہ کہ کسی طولی پیمانہ سے مثلاً فٹ یا میل وغیرہ۔

مثلث کروی میں قوس ضلع کی پیمائش اس زاویہ سے کی جاتی ہے جو کہ کرہ کے مرکز پر قوس ضلع کو وتران کے پیدا ہوتا ہے درمیانی زاویہ درمیان دو ضلعوں کے وہ زاویہ ہے جو دونوں کی سطح کے تقاطع سے بنتا ہے۔

مثلث سطحی قائمہ الزاویہ وہ ہے جس کا ایک یا دو یا تینوں زاویہ قائمہ ہوں یہ خصوصیت مثلث کروی کی ہے

Sphroid

شبہ کروی۔

وہ شکل جو بیضوی کے اپنے کسی قطر پر حرکت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر قطر اطول پر حرکت ہو تو شبہ کروی پیدا ہوگا اور اگر اقصر پر ہو تو چپٹا شبہ کروی بنے گا۔

Spica (α virginis

اس کو العذرا کہتے ہیں یہ ستارہ بہت روشن ہے۔

Spring Tides

مد کی موجیں مد و جزر کی موجوں کی اونچائی ۱۰ : ۴ کی نسبت ہوتی ہے۔

Spots on the Sun

سورج کے دھبے

Stars

ثوابت

روشن نقطے جو رات کو آسمان پر نظر آتے ہیں۔

روشنی کے اعتبار سے اُن کے درجے مقرر کئے ہیں اگلے وقتوں میں چھ درجے قائم کئے تھے اور پھر ہر ایک کے تین صنفیں۔ چھ درجوں سے ہر ایک کو قدر کہتے تھے۔ قدر ہیں اعلیٰ اوسط ادنیٰ۔ اب عشرات سے حساب کرتے ہیں مثلاً ۱،۱ و ۲،۲ و ۳،۲ و ۲،۳ وغیرہ۔ اس زمانہ میں ۱۷ قدریں قرار دے ہیں سب سے ادنیٰ قدر کا وہ تارا ہے جو نہایت ہی نہایت قوی دوربین سے دھندلا سا نقطہ دکھائی دیتا ہے۔

Stars Binary. مثناۃ

Stars Double مضعف۔ دوہرے ستارے۔

وہ ستارے جو اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ آنکھ سے ایک ہی نظر آتا ہے۔ ایسے نزدیک ہیں کہ قوی دوربینوں سے کچھ فصل نظر آتا ہے۔ بعض معمولی دوربین سے بھی الگ الگ دیکھے جا سکتے ہیں۔

Stars variable. کواکب متغیر اللون۔

Statonary point نقطہ اقامت۔

وہ نقطہ مدار کے جہاں سیارہ حالت سکون میں نظر آتا ہے توازن کے موقعوں پر چاند کی شکل کی عکسی تصویریں Stereograms لیتے ہیں۔ اسٹراس کوپ کے ساتھ ضم کرکے کروی نظارہ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔

Sterographic Projection — نقشہ کھینچنے کا ایک طریقہ جس میں ناظر کرہ کے قطب کے پاس ہے اور دوسرے نصف کرہ کی شکلیں دائرہ اور قوسین گویا اس سطح پر کھینچے ہوئے ہیں جو اس قطب کے منطقہ کی سطح ہے اسطرلابی صفحوں میں اسی اصول پر دوائر اور خطوط کھینچے جاتے ہیں۔

Stones meteoric احجار شہابی۔ ٹوٹے ہوئے تاروں کے پتھر۔

Style old and New

۱۷۵۲ء سے پہلے سال کا آغاز ۲۵ مارچ سے لیتے تھے۔ جدید طریقہ جس میں سال کی ابتدا یکم جنوری سے ہے جزائر برطانیہ میں ۱۷۵۲ء تک جاری نہ تھا۔ اور پوپ گریگوری کی اصلاح کو ۱۷۰ سال ہو چکے تھے لہذا ان کا فرق پڑتا تھا جن کو ساقط کر دینا چاہیئے تھا۔ اس لئے ستمبر کی ۳ تاریخ کو ۱۴ ستمبر مان لیا گیا اس میں اب تک اسی قدیم تاریخ کا رواج ہے۔

تحت القطب۔ Sub Pole

افق کے نقطہ شمال اور قطب شمالی کے درمیان کسی جرم کا ممر دائرہ نصف النہار پر۔

نقطہ تحت الشمس۔ Sub solor point

وہ نقطہ زمین کی سطح جہاں گرین وجہ کے اعتبار سے کسی تاریخ آفتاب سمت الراس میں ہو۔

سہا۔ Suha Alcor . 8 Ursoe majoris

مزار کے قریب س دب اکبر جس کو Alcor کہتے ہیں۔

ح شلیاق (سلافہ of Lysoe) Sulaphat

انقلاب صیفی۔ Summer Solstice

شمال میں وہ نقطہ دائرہ البروج کا جہاں آفتاب معدل سے نہایت بعد پر پہنچے۔ راس السرطان آفتاب یہاں ۲۱ جون کو پہنچ جاتا ہے۔

جنوب میں حال برعکس ہے لہذا اس طرح کہیں تو دونوں صورتوں پر حاوی ہو وہ نقطہ دائرہ البروج کا جو معدل سے قطب ظاہر کی جانب غایت بعد پر ہو۔

Sun.

مرکز نظام سیارات بعد اوسط زمین سے ۹۲۷۹۶۹۵۰ میل قطر ۸۶۶۰۰۰ میل ثقل نوعی ۱،۴۰ میل جب کہ زمین کا ثقل نوعی ½۵ ۲ اور پانی کا ایک ہو۔ آفتاب اپنے محور پر ½۲۵ دن میں دور تمام کرتا ہے۔ محور آفتاب سطح فلک البروج پر ۷ درجہ کا میلان رکھتا ہے اور (h Drawnis) الیین کی سامنت میں۔

دھوپ گھڑی۔ Sun Dial

اجسام کے سایہ سے دن کے وقت کا تخمینہ کرنا بہت قدیم طریقہ ہے اس اصول پر جو آلے وقتاً فوقتاً ایجاد ہوئے ہیں وہ بھی قدیم سے چلے آتے ہیں۔ اس کا ذکر قدیم کتب آسمانی میں بھی موجود ہے انکسمندر نے ایک دھوپ گھڑی دسارہ میں ۵۴۵ قبل مسیح نصب کی تھی میطون نے اثینہ میں ۴۳۳ ق) میں اندرومہ انگریزی میں پیروس نے ۳۰۶ ق۔م)

تین قسم کی دھوپ گھڑیاں مستعمل ہیں (۱) طبیعی دھوپ گھڑی (۲) افقی دھوپ گھڑی (۳) عمودی گھڑی

دوسرے اور تیسرے قسم کی دھوپ گھڑیاں علم مثلث کروی سے یا نقشہ کشی کے اصول سے بنتی ہیں۔ طبیعی دھوپ گھڑی کا بنانا سب سے سہل ہے۔ اس میں صرف یہ کرنا ہوتا ہے کہ ایک دائرہ جس پر درجے وغیرہ بنے ہوئے ہوں معدل النہار کی سطح میں نصب کردیں اور اس کے مرکز میں ایک سُوا عموداً لگادیں اس سوئے کے سایہ سے حساب کرتے رہیں۔ ہر پندرہ درجہ کا ایک گھنٹہ اور ہر درجہ میں چار منٹ شمار کریں چاہیئے کہ دائرہ کو اس طرح لگائیں کہ دوپہر کو سایہ صفر درجہ پر پڑے تاکہ قبل نصف النہار اور بعد نصف النہار پندرہ درجہ سہولت سے گن سکیں اور اگر پندرہ پندرہ درجہ کے فصل سے گھنٹوں کے شمار بنالیں تو اور بھی سہولت ہوگی۔

افقی دھوپ گھڑی گو یا طبعی دھوپ گھڑی کی تصویر افق پر اور عمودی سطح عمودی پر ہوتی ہے ربع مجیب سے بھی وقت کا حساب بآسانی ممکن ہے اور اسطرلاب سے بالکل ہی سہل مگر اسطرلاب کے بنانے میں البتہ ایک بار محنت کرنا ہوگی۔

دھوپ گھڑی سے جو وقت دیکھا جاتا ہے وہ وقت مرئی کہا جاتا ہے یا شمسی اس کو وقت وسطی (رواجی) میں تحویل کرنے کے لئے تعدیل الزماں کی ضرورت ہوگی۔ اس تعدیل کی جدول دھوپ گھڑی کے ساتھ خواہ اسی کی سطح پر کندہ کردیتے ہیں خواہ علیحدہ کتاب میں لکھوا رکھتے ہیں۔

آفتاب کے داغ — Sun spots

سیارہ کے تاریک دھبے جو آفتاب کی سطح پر نظر آتے ہیں اس کا مرکزی یا اندرونی حصہ بہت تاریک ہوتا ہے اس کے گرد ہلکا سایہ ہوتا ہے جس کو Penumbra ظل ثانوی کہتے ہیں بمقابلہ اندرونی کے جو اولی (Umbra) ہے ان دھبوں میں ایک دورہ خاص سے تغیرات ہوتے ہیں بعض اوقات بہت ہی نمایاں دھبے نظر آتے ہیں خالی آنکھ سے دیکھے گئے ہیں۔ اس کا دور غایت عظیم کا گیارہ سال کا ہے ۱۸۸۲ء سے حساب لگاؤ تو گیارہ برس کے بعد ۱۸۹۳ء، ۱۹۰۴ء، ۱۹۱۵ء وغیرہ اس کے دور کا حساب مل سکتا ہے۔

قران علوی - اتصال علوی — Superior conjuntion

عطارد و زہرہ جب اپنے مدار میں آفتاب کے اس طرف زمین سے نظر آئیں تو یہ اتصال علوی ہے جب اس طرف سورج سے اتصال واقع ہو تو سفلی ہے۔

Superior Planets

زمین کے مدار سے باہر جو سیارے ہیں وہ علوی کہے جاتے ہیں سوائے عطارد اور زہرہ کے اور سب سیارے علوی ہیں۔

Svolocin & Delpheni

ا دعیں۔

Webb کے نزدیک یہ نام Nicolaus کا مقلوب ہے۔

Sweeps

بہار۔

سر ولیم ہرشل نے اپنے مشاہدہ کواکب کے لئے اختیار کیا تھا جب کہ دوربین کو بند کرکے آسمان کی طرف لگا دیں اور جو ستارے حرکت یومیہ سے ساخت نظر میں آئیں اُن کا مشاہدہ کریں۔

Synodic Month

ماہ قمری۔

ایک شکل قمر ایسے ہی دوسرے شکل مثلاً محاق سے محاق تک یا استقبال سے استقبال تک جو مدت گذرتی ہے۔ ہمارا مہینہ ہلالی سے ہلالی تک اس قسم سے ہے۔ مدت ۲۹ یوم ۱۲ گھنٹہ ۴۴ منٹ ۲ سکنڈ ہے۔

Synodic Period

اضافی دورہ۔

آفتاب اور کسی سیارہ کی ایک نظر سے اُسی نظر تک دو اتصالوں کے درمیان یا دو مقابلوں کے درمیان

Aynodic period

وہی ہے جو

Synodic Revolaton

اضافی دورہ

Synodic Rotation of the Sun

آفتاب کا اضافی دور حرکت محوری۔

مرئی دور آفتاب کی حرکت محوری کا زمین کی حرکت کے ساتھ۔ اس کی مدت دور حقیقی سے دو دن زیادہ ہے

Synodic year

سال اضافی قمری۔

قمری بارہ مہینہ جو ۳۵۴ ۱۱/۳۰ دن کے برابر ہیں۔

System

نظام۔

دو یا زیادہ سیارے جو قوانین جذب کے موافق حرکت کرتے ہیں اُن کی اس مجموعی وضع حرکت کو ایک

نظام کہتے ہیں۔

مسامنت Syzygy

یہ اصطلاح محاق اور استقبال کے لئے مستعمل ہی۔ دونوں صورتوں میں آفتاب اور ماہتاب تقریباً ایک سمت میں ہوتے ہیں۔

Talita e Ursoe majoris

قوت مماسی۔ Tangen tial force

قوت قسری کے مسئلہ میں حرکت قسری جو مماس کی سمت میں عمل کرتا ہی یعنی جرم مقسور کے مدار کو جو خط مماس ہی اس نقطہ پر جہاں خود وہ جرم موجود ہی۔ یہ خط مماس مدار کی سطح میں واقع ہے۔

مماس پیچ۔ Tangruti Srew

وہ پیچ جو کسی آلہ کو بہت ہی خفیف حرکت دینے کے لئے لگایا جاتا ہی۔ مثلاً قوس کو جس پر درجے وغیرہ بنے ہیں ذرا سی حرکت دینے کو تاکہ موقع مناسب پر آجائے۔ اس صورت میں آلہ وزیریں بند ہوتا ہی

شاہین Tarazed × Aquloe

ثوابیہ Taureds

مرکز تناثر شہیب ثاقبہ برج ثور میں موضع تناثر (۵۸ + ۲۰) اگر ستارے روشن ہوتے ہیں لیکن حرکت بہت بطی ہوتی ہے ایک اور مرکز اسی کے قریب ہی (۶۲ + ۲۲) پہلا نومبر یکم سے ۸ تک اور دوسرا نومبر ۲۰ سے ۲۷ تک ہر سال۔ یہ برج سے ہی اس کا روشن تارا الدبران ؟ الثور ہے (× Taure) ثور Taurus (The Bull) ثریا Hyados بھی اسی شکل میں ہیں۔

یہ ثریا میں واقع ہے۔ Taygeta (M Tauri)

زالسرطان۔ Tegmine of Cancri

Tejat Post p Geminorum tuhyah

منظار - دوربین۔ Telescope.

آلہ واسطے مشاہدہ اجرام فلکی کے سیہ شئے کی تصویر بہت بڑھا کے دکھاتی ہی اور شئے قریب معلوم ہوتی ہی
دو قسمیں منظار کی ہیں انعطافی اور انعکاسی جس کا بیان ہو چکا ہی۔

Teles copic objects.
اشیا مشہودہ۔ اکثر اجرام جو خالی آنکھ سے نظر نہیں آتے منظار سے نظر آتے ہیں۔

Telescopium
منظار۔
اشکال جنوبی سے ہی۔

Temporary stars.
ہنگامی ستارے۔
اکثر ستارے دفعۃً مشتعل ہو کے بالکل فنا ہو جاتے ہیں۔ تھوڑی مدت تک نظر آتے رہتے ہیں پھر رفتہ رفتہ دھندلے ہوتے ہوتے غایب ہو جاتے ہیں۔ کبھی سحابت کی صورت میں باقی رہتے ہیں اور کبھی بالکلیہ فنا ہو جاتی ہیں

Terminator
خط فاصل۔
خط فاصل سایہ و نور۔ ضرور نہیں خط مستدیر یا مستقیم ہو۔ انحنا عموماً لازم ہی۔ تشکلات قمر کی حد سایہ و نور۔ احتراق و کمال میں حد فاصل قرص کے محیط پر منطبق ہوتی ہی۔

Terrestreal Equator
دائرہ استوائی۔
وہ دائرہ جو معدل کے سطح میں زمین پر ہوتا ہے۔
دائرہ استوائی کا ہر نقطہ محیط پر قطبین سے برابر دوری پر ہوتا ہے۔ معدل کی سطح محور زمین پر عمود ہوتی ہے۔

Terres trial Latitude
عرض البلد۔
زاویہ یا قوس اس عظیمہ کے جو دائرہ استوائی پر قطبین سے کسی ارض میں گذرتا ہوا عمود ہوتا ہی۔ اس قوس کی پیمائش دائرہ استوائی کے شمال یا جنوب میں کی جاتی ہی اور یہ قوس اس زاویہ کی موثر ہے جو مرکز زمین پر حادث ہوتا ہے۔ کسی نقطہ محیط دائرہ استوائی عرض بلد صفر درجہ ہے اور قطب کا عرض بلد ۹۰ درجہ ہی۔ ارتفاع قطب کا کسی مقام میں اس مقام کا عرض بلد ہے۔
کسی مقام کے عرض کے دریافت کرنے کا طریقہ یہ ہی کہ کوئی ستارہ جب قطب فلک کے ٹھیک اوپر ہو

تو اس کا ارتفاع لیں اور پھر جب وہی تارا قطب الفلک کے ٹھیک نیچے ہو تو پھر ارتفاع یہ دو زاویہ جو اس طرح حاصل ہوں اس کا اوسط اس مقام پر ارتفاع قطب یعنی عرض بلد ہی۔ مثلاً اگر ارتفاع فوق القطب ۳۰ درجہ ہو اور ارتفاع تحت القطب ۲۰ درجہ ہو تو $\frac{۳۰+۲۰}{۲}$ = ۲۵ ارتفاع قطب یا عرض بلد ہی۔ آلہ ارتفاع کو خیط شمال و جنوب پر رکھنے سے آلہ دائرہ نصف النہار کی سطح میں ہوگا اس صورت میں نقطہ فوق اور نقطہ تحت کا پہچاننا بالکل سہل ہے۔ جدی اس قدر قطب حقیقی کے قریب ہی کہ بغیر دوربین کے اس کی حرکت بہ مشکل محسوس ہو سکتی ہے اس لئے دب اصغر سے انور فرقدین کسی گردش کی رصد آسان ہی۔ ابدی الظہور تاروں سے کسی تارے کو اس مقصد کے لئے منتخب کر سکتے ہیں بشرطیکہ فوق افق اور تحت افق رات دورات ہو۔

آفتاب کے غایت ارتفاع سے بھی عرض بلد کا معلوم کرنا سہل ہی بشرطیکہ میل اس دن کا معلوم ہو۔ ربع مجیب کے بیان میں ہم عرض بلد کے استخراج کا طریقہ بیان کریں گے۔

طول بلد — Terrestrial Longitude

یعنی کسی مقام کی دوری جو مبدء سے بلد مفروض تک جانب مشرق یا مغرب خط استوا پر اندازہ کی جائے صفر سے ۱۸۰ درجہ تک دونوں سمتوں میں طول بلد کا شمار رہتا ہی۔ اس کا طریقہ بھی رسالہ ربع مجیب میں لکھا جائےگا

Terrestrial Meridion

دائرہ نصف النہار کی سطح میں زمین کی سطح پر جو عظیمہ پیدا ہوتا ہی وہ نصف النہار ارضی ہی۔ زمین کے نقشوں میں توس خط قطب سے دس دس درجوں کے فاصلے سے کھینچے ہوتے ہیں وہ نصف النہاری دائروں کی قوسیں ہیں۔ اگر صحیح نقشہ زمین کا موجود ہو تو طول بلد تقریباً معلوم ہو سکتا ہے۔

قطبین ارضی۔ Terrestrial Poles

محور زمین کی شمالی اور جنوبی حدیں جو سطح زمین پر منتہی ہیں۔ زمین کے دونوں قطب ہیں۔

Tethys

زحل کے اتباع سے ایک سیارہ کی طرف شمار میں تیسرا پڑتا ہی۔ مدت دور ایک دن ۲۱ گھنٹہ ۸ امنٹ بعد اوسط ۱۸۷۰۰۰ امیل کاسینی نے مارچ ۱۶۸۴ء میں دریافت کیا تھا۔ قدر نجومی ۱۱٫۴ حسب رائے پکرنگ

قطر معلوم نہیں۔

Thuban x Draconis

ثعبان۔

Tides

مد و جزر۔ جوار بھاٹا۔

روزانہ اتار چڑھاؤ سمندر کی لہروں کا آفتاب اور ماہتاب کے جذابہ کی وجہ سے آفتاب کی قوت جذابہ

زمین پر سے ماہتاب کے جذابہ کا ہے۔

Tidal Friction

خدش تموجی۔

موجوں کی حرکت سے جو رگڑ پیدا ہوتی ہے۔ اصطکاک امواج زمین کی حرکت محوری کی مقاومت کرتی ہے

مگر بہت ضعیف ہے اور مدتوں کے بعد کچھ محسوس ہوتی ہے۔

Titan

طیطان۔

سب سے بڑا اور شمار میں ساتواں سیارہ کی جانب سے۔ مارچ ۱۶۵۵ء میں ہیوگنیس نے دریافت کیا تھا

مدت دورہ پندرہ یوم ۲۲ گھنٹہ ۴۱ منٹ ہے بعد اوسط ۷۷۱۰۰۰ میل ہے۔ چھوٹی دوربین سے بھی دکھائی

دیتا ہے۔ قدر نجومی بکرنگ کی رائے سے ۹٫۴ ہے۔ اس کا قطر ٹھیک معلوم نہیں ہے۔ غالباً تین یا چار ہزار میل

کے درمیان ہے۔ یہ قمر عطارد سے بڑا ہے۔

Titania

طیطانیہ۔

یورانس کا ایک تابع ہے تیسرا شمار میں پڑتا ہے۔ سیارے کی جانب سے۔ بعد اوسط ۲۷۱۰۰۰ میل ہے

مدت دورہ ۸ یوم ۱۶ گھنٹہ ۵۶ منٹ۔ اس کو سر ولیم ہرشل نے دریافت کیا تھا ۱۱ جنوری ۱۷۸۷ء۔ قطر معلوم

نہیں ہے۔ بہت قوی دوربین سے دکھائی دیتا ہے۔

Total Eclipse

حیلولت کلی۔

کسوف جس میں پورا قرص آفتاب پوشیدہ ہو جاتا یا خسوف جس میں پورا قرص ماہ زمین کے سایہ میں

ڈوب جاتا ہے۔ سرب گرہن۔

Toucan

اشکال جنوبی سے یہ فینکس اور گروش کے جنوب میں واقع ہے۔

Trade winds
موسمی ہوائیں

شمالی بلاد میں شمال مشرقی سمت سے اور بلاد جنوبی میں جنوب مشرقی سمت سے چلتی ہیں۔ ہواؤں کا تموج شمال یا جنوب سے خط استوا کی طرف چلتا ہے جہاں حرارت نے زمین اور ہوائے محیط گرم کر دیا ہے۔ زمین محوری گردش سے ہوا کا رخ بدل جاتا ہے۔

Transit
مُمَر۔

کسی مقام مفروض کے نصف النہار سے کسی جرم آسمانی کا گذرنے کو مُمَر کہتے ہیں۔

Transit Instrument
آلہ الممر

آلہ ارتفاع کو اگر نصف النہار کی سمت میں بند کر دیں اور عدسہ نظر کے قریب متقاطع تار لگاویں۔ اس طرح کہ دوربین دائرہ نصف النہار کی سطح میں گھومتی رہے تو وہ آلہ ممر ہے۔ رصد خانہ اس مقصد کے لئے ایک آلہ کو مخصوص کر دیتے ہیں

Transit of a Satellite
ممر تابع سے یہ مراد ہے کہ تابع متبوع کے قرص پر سے گذرے۔ اگر آفتاب کے نیچے سے عطارد یا زہرہ گذرے تو اس کو احتراق کہتے ہیں۔

Transit of a shadow
ممر الظل۔

کسی تابع کے ظل کا مرور متبوع کے قرص پر سے ممر الظل کہا جاتا ہے۔

Transit mercury
احتراق عطارد یعنی عطارد کا آفتاب کے قرص پر سے گذرنا۔ یہ ممر زہرہ سے بیشتر ہوتا ہے لیکن عطارد آفتاب کے قریب ہے لہذا اختلاف منظر دونوں کا تقریباً برابر ہے اس لئے یہ ممر علم ہیئت کی تحقیقات کے لئے زیادہ مناسبت نہیں رکھتا دور ہائے ممر ۷ و ۱۳ و ۳۳ و ۴۶ ہ کے بعد ہوتا ہے گزشتہ صدی کے آخر میں ۱۰ نومبر ۱۸۹۴ء کا احتراق سب سے آخر تھا۔

Transit of venus
احتراق زہرہ

یہ احتراق زمین سے آفتاب کی دوری دریافت کرنے کے لئے بہت مفید ہے۔ اگرچہ اب تک زیادہ مفید

نہیں ہوئے احتراق کی دوری ۸ و ½۱۰۵ و ۸ و ½۱۲۱ – ۸ و ½۱۰۵ – ۸ و ½۱۲۱ سال کے فاصلوں سے ہوتے ہیں احتراق زہرہ ۱۷۶۱ و ۱۷۶۹ و ۱۸۷۴ و ۱۸۸۲ میں ہوئے۔ اب اکیسویں صدی ۲۰۰۴ و ۲۰۱۲ میں دو احتراق ہوں گے۔

شیخ الرئیس نے ایک احتراق کا حال بچشم خود دیکھ کے لکھا ہے۔ شیخ نے آفتاب کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک نقطۂ سیاہ قرص آفتاب پر گذر رہا ہے۔ شیخ نے تقویم زہرہ کا اس وقت استخراج کیا تو معلوم ہوا کہ آفتاب سے اتصال ہے اور عرض مقصود ہے اس لئے یقین ہو گیا کہ زہرہ کا احتراق ہے۔ افسوس کہ اس واقعہ کی تاریخ کہیں نہیں ملی انشاء اللہ پھر کسی وقت اس کا استخراج کر کے لکھا جائیگا۔

Transversal Disturbing Force

مسئلہ قسر میں رکن یا ضلع قوت قسریہ کا جو کہ سمت عمودی میں قطر حامل پر تاثیر کرتا ہے اور قطر حامل اور مماس مدار جسم مقسور میں ہوتا ہے۔

Trangulum (the triengle) مثلث شمالی

شمالی اشکال سے ہے۔

Trangulum Anstralis مثلث جنوبی

جنوبی اشکال سے ہے۔

Tropical Revolution دورہ عقدی

سیارہ کا دورہ بحوالہ عقدتین اس کے قطر استوائی کے مدار کے ساتھ۔ معلوم ہو کہ ہر سیارہ کے جرم کا منطقہ یعنی وہ دائرہ جو مثل دائرہ استوائی زمین کے اس کے محور کی حدوں سے جو اس کے دورہ محوری کے قطب ہوتے ہیں برابر فاصلوں پر ہوتا ہے۔ یعنی سیارہ کے جرم کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ منطقہ استوائی مذکور کی سطح بڑھائی جائے تو وہ اس کے مدار کو دو نقطوں پر قطع کرے گی یہ دونوں نقطے اس کے دائرہ استوائی کے عقدے ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ دونوں نقطے اس کے مدار کے راس و ذنب ما جوزہر نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں نقطے اس کے مدار اور طریق الشمس کے تقاطع سے پیدا ہوتے ہیں۔

Tropical Year سال شمسی حقیقی یعنی دورہ شمس نقطہ اول حمل سے پھر اسی نقطہ تک اس دورہ

کی مدت ۳۶۵ دن ۵ گھنٹہ ۴۸ منٹ ۱۵ء ۴۵ سکنڈ ہے۔

دائرہ اطول النہار و دائرہ اطول اللیل۔ دائرہ انقلاب صیفی و دائرہ انقلاب شتوی۔ Tropics

دو صغیرے جو سطح ارضی پر دائرہ استوائی کے شمال اور جنوب میں میل کلی کے فاصلہ پر واقع ہیں یعنی ان دائروں کا عرض بلد ۲۳° ۲۷' ہے۔ شمالی کو دائرہ راس السرطان اور جنوبی کو دائرہ راس الجدی کہتے ہیں جو منطقہ ان میں سے کسی دائرہ اور دائرہ استوائی میں واقع ہو اس کو منطقہ حارہ کہتے ہیں ایک شمال میں دوسرا جنوب میں جو بلاد ان دائروں میں واقع ہیں آفتاب اُن کے سر پر سے گذرتا ہو جن کا عرض کسی نقطہ دائرۃ البروج کے میل کے برابر ہوگا۔

آفتاب اپنی سیر میں جب اس نقطہ پر پہنچے گا اس بلا کے سر پر سے گذرے گا مثلاً مکہ کا عرض البلد شرح چغمنی میں شمالی م لکھا ہے یعنی ۲۱ درجہ قہ اور آفتاب کا میل ہر سال مئی کی ۲۹ یا ۳۰ کے درمیان ۲۱ درجہ ۴۰ قہ ہوتا ہے لہذا ان تاریخوں میں آفتاب مکہ معظمہ کے ٹھیک سمت الراس پر گذرتا ہو۔ حیدرآباد کا عرض بلد ۱۸ درجہ ہے لہذا مئی کی ۱۲ تاریخ کو اس شہر کے سمت الراس سے گذرے گا۔ جو بلاد میل کلی کے عرض بلد یعنی دائرہ حارہ شمالی یا جنوبی کے باہر ہیں وہاں کبھی آفتاب شمس الراس سے نہیں گذرے گا۔

شمس حقیقی True sun

خاص آفتاب کو بمقابلہ شمس وسطی کے کہتے ہیں۔ شمس وسطی ایک نقطہ موہومہ ہو جس کی گردش وسطی دائرہ معدل پر یکساں رہتی ہے یعنی ۵۹ دقیقہ ۸ ثانیہ روزانہ۔ ہمارے یہاں گھڑیاں وسطی آفتاب کی گردش پر رکھی گئی ہیں سال میں چار مرتبہ وسطی اور حقیقی آفتاب ایک دوسرے پر منطبق ہوتے ہیں اس دن دھوپ گھڑی اور جیبی گھڑی میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لہذا تعدیل الایام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اپریل ۱۵۔ جون ۱۴۔ ستمبر یکم۔ دسمبر ۲۵۔ تاریخیں انطباق کی ہیں۔

Tureis i Argus

Twilight. (فجر و شفق) شفق

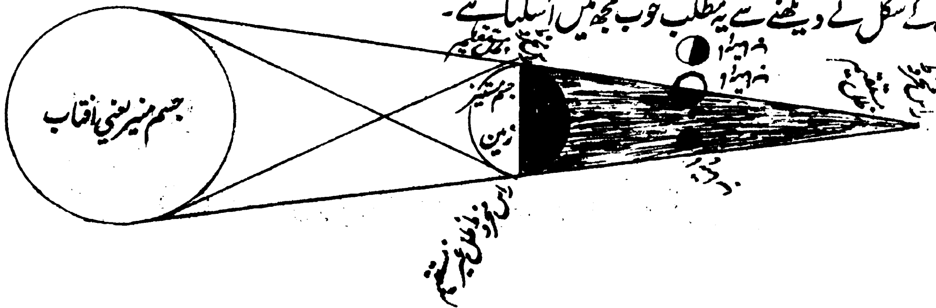
انعطافی روشنی آفتاب کی جو بعد غروب اور قبل طلوع نمایاں ہوتی ہو۔ طلوع کا آغاز کا وقت جب کہ آفتاب

افق سے ۱۸ درجہ انخفاض پر یعنی سطح افق سے نیچے ہو جس دن سب سے بڑا دن ہوتا ہی آفتاب ½ ۲۳ درجہ معدل سے شمالی بعد پر ہوتا ہے لہذا تمام ارتفاع یعنی سمت الراس سے ½ ۶۶ درجہ ہوتا ہی اگر عرض بلد کو ع فرض کریں تو آفتاب کا بعد افق سے نیچے نصف شب کو ½ ۶۶ - ع اگر اس کو معادل ۱۸ درجہ کے فرض کریں تو ع = ½ ۶۶ - ۱۸ = ½ ۴۸ درجہ ہوا - لہذا وہ مقامات زمین پر جو شمالی میں ½ ۴۸ درجہ کے شمالی میں ہوں - جون کی اکیسویں[۲۱] تاریخ کو وہاں رات بھر شفق ہو گی - ½ ۶۶ عرض بلد کے شمال میں یعنی دائرہ شمالی کے اندر آفتاب کا ظہور اسی سے نمایاں ہے ہم فجر اور شفق کو کہ ہماری ضروریات عبادت سے ربع مجیب کے ضمیمہ میں بیان کرینگے -

(ظل مستقیم) ظل اولیٰ *Umbra*

تاریک سایہ زمین کا جو خسوف میں ماہ کے جرم پر نمایاں ہوتا ہی ظل اول کے گرد ایک اور ہلکے سایہ کا حاشیہ ہوتا ہی جس کو ظل ثانوی کہتے ہیں - یعنی ظل غیر مستقیم -

آفتاب نظام شمسی میں جملہ اجرام سے بڑا اور اسی کی روشنی سے تمام اجرام نظام کے نور کا استفادہ کرتے ہیں (جو جسم نور بخشتا ہے اور خود روشن ہی اس کو منیر کہتے ہیں اور جسم کسب نور کرتا ہی اس کو مستنیر کہتے ہیں جب منیر اور مستنیر کا سامنا ہوگا اور منیر بہ نسبت مستنیر کے بڑا ہو گا تو ضرور ہے کہ مستنیر کا وہ حصہ جو منیر کے مقابل ہی وہ روشن ہو اور اس کے عقب میں ایک مخروط سایہ کی پیدا ہو گی - یہ مخروط جسم منیر کے کناروں سے مستنیر کے کناروں پر سمت موافق میں مماسوں کے کھینچنے سے اور ان مماسوں کے بڑھانے سے پیدا ہو گی - اس مخروط کے اندر گھپ اندھیرا ہوگا اگر چہ مخروط کے دونوں جانب گہرا سایہ نہوگا اس لئے کہ جسم منیر کے کناروں سے مستنیر کے سمت مخالف کے کناروں پر مماس کھینچے جائیں اور اُن کو بڑھایا جائے تو دو مخروطین پیدا ہوں گی ان مخروطوں پر فی الجملہ روشنی اور سایہ (دونوں ملے ہوئے ہونگے) پہلی یعنی ظل مستقیم کے مخروط کا راس جسم مستنیر کے عقب میں نیر سے دور واقع ہوگا - ظل غیر مستقیم کی دونوں مخروطوں کے راس مستنیر کے کنارے ہوں گے شکل کے دیکھنے سے یہ مطلب خوب سمجھ میں آسکتا ہے -



Umbriel
امبریل

یورانس کے ایک تابع کا نام ہے۔ سیارہ سے دوسری مرتبہ پر دوری کے حساب سے بعد اوسط سیارہ کے مرکز سے ۲۶۷،۰۰۰ میل مدت دورہ ۴ دن ۳ گھنٹہ ۲۷ منٹ بڑی دوربین سے اسی طرح دکھائی دیتا ہے قطر معلوم نہیں ۱۸۴۷ء اکتوبر آٹھویں تاریخ اسٹروڈ نے دریافت کیا تھا۔

Unukalhay (x Serpentis)
عنق الحیّة

سانپ کی گردن۔

Urography
تسطیح الکواکب۔

علم ہیئت کا وہ شعبہ جس میں ستاروں کے نقشہ بنانے کا بیان ہے۔

Uronometry
علم ساخت فلکی

آسمانی ابعاد اور ستاروں کے مواضع (ثوابت) لاطینی لفظ یورانومطریہ اکثر ستاروں کے اطلس کے لئے مستعمل ہوتی تھی۔

Uranus
یورانس

کواکب علوی سے ہے جس کو سر ولیم ہرشل نے دریافت کیا تھا ۱۳ مارچ ۱۷۸۱ء بعد اوسط آفتاب سے ۱۷۸۰۰۰۰۰۰۰ میل مدت دور ۸۴ سال۔ قطر ۳۲۰۰۰ میل کبھی آنکھ سے دکھائی دیتا ہے مقابلہ کے وقت اس کی محوری قدر اوسط ۵ پ ۱ ہے اس کے چار تابع ہیں اپریل امبریل طیطانیہ ابرن۔

Ursa Major (The great Bear)
دب اکبر

شمالی اشکال سے ہے۔ جس کو بل بھی کہتے ہیں۔

Ursa Minor (the little Bear)
دب اصغر

شمالی اشکال سے ہے۔ اس میں جدے واقع ہے جس کو توام قطب تارا کہتے ہیں جدے α الدب اصغر ہے۔

Variable stars

وہ ستارے جن کی روشنی یکساں نہیں رہتی یعنی اُن کی قدر نجومی بدلتی رہتی ہے۔ بعض میں یہ تغیر بہت ہوتا ہے

اور بعض میں ضعیف جو بہت متغیر ہوتے ہیں ان کا مشاہدہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ دو سو سے زائد ایسے ستارے دریافت ہو چکے ہیں۔ اُن کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے۔ (۱) ہنگامی یا جدید ستارے (۲) کواکب متغیر جن کے تغیر کا زمانہ دراز اور کسی حد تک منتظم ہے (۳) غیر منتظم متغیر ستارے جس کے تغیر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے بے قاعدہ بدلتے رہتے ہیں (۵) الغول کے امثال جو منتظم اور موقت ہیں فوراً روشنی کم ہو جاتی ہے اور یہ حالت چند ہی ساعت تک رہتی ہے ان درجوں کی مثالیں حسب ذیل ہے۔

اختلاف *Variation*

چاند کی رفتار میں بہ سبب آفتاب کی قوت قسریٰ کے اختلاف سے یہ اختلاف حرکت کا واقع ہوتا ہے محاق اور کمال میں رفتار (بہت) زیادہ سے زیادہ اور تربیعین میں کم سے کم

(*Lyrae* ×) نسر واقع *Vega*

روشن ستارہ ا شلیاق۔

اسفینہ کا ایک حصہ ہے *Vela*

رفتار *Velocity*

جسم کی حرکت مقدار مثلاً اتنے فیٹ فی سکنڈ لیکن جو اجرام بہت جلد حرکت کرتے ہیں اجرام فلکی مثل زمین و سیارات اتنے میل فی سکنڈ کے حساب سے کہتے ہیں۔

زہرہ *Venias*

سفلین سے ایک ہے یعنی وہ جو زمین کے مدار کے اندر ہیں بعد اوسط ۔۔۔۔۔۰ ۶۷ میل اس کا مدار تمام بڑے سیاروں کے مدارات سے مقابلۃً دائرہ ہے۔ مدت دورہ ۷، ۲۲۴ دن قطر ۸ ۱۹ ۷ میل زمین کے قریب۔ یہ تمام سیاروں بلکہ جملہ اجرام سوائے چاند کے روشن اور خوبصورت ہے۔ اسی سے اس کو مقاصد فلک کہا ہے۔ اگلے وقتوں میں تو اس کو دیبی ہونے کی عزت حاصل تھی اور اس کے عظیم الشان وسیع مقدر ہیکل الزہرہ بنائے گئے تھے جن کے آثار اب بھی باقی ہیں یہ سال میں ایک مدت تک مرشام اور ایک مدت تک صبح سے پہلے طالع ہوتا ہے۔ یہ صبح کا تارا بھی ہے اور شام کا بھی مبادی کے لئے دیکھو ضمیمہ۔

نقطہ اعتدال ربیعی — Vernal Equinox

جب کہ آفتاب جنوب سے معدل پر ہوتا ہوا شمالی ہوتا ہے یعنی اول حمل میں داخل ہوتا ہے یہ اکثر ۲۱ مارچ کو ہوا کرتا ہے اہل فارس اس دن کو نوروز کہتے ہیں۔

پیمانہ کسرات — Vernier

ایک چھوٹا پیمانہ جو بڑے پیمانہ کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے۔ یہ چھوٹا پیمانہ متحرک ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے بڑے پیمانہ کے اجزا کی کسریں جن کا شمار بڑے پیمانہ میں نہیں ہوتا معلوم ہو سکتی ہیں۔ اگر چھوٹے پیمانہ کے بڑے پیمانہ سے چھوٹے ہوں اور اسی سمت میں بڑھیں جس سمت میں بڑے پیمانہ کے بڑھتے ہیں تو چھوٹا پیمانہ مستقیم ہے اور اگر چھوٹے پیمانہ کے اجزا اصل پیمانہ سے بڑے ہوں اور شمار اس کے اجزا یعنی کسرات اصل پیمانہ کے سلسلہ سے سمت مخالف میں ہو تو چھوٹے کو پیمانہ کسری معکوس کہیں گے۔

راس — Vertex

یہ اصطلاح علم ہندسہ میں مثلث اور مخروط کے لئے نقطہ منتہا ہی ارتفاع کے لئے مستعمل ہے لیکن ہیئت میں قرص آفتاب وماہتاب وماہ وسیارات کے لئے بولتے ہیں۔ یا وہ نقطہ جہاں کوئی عظیمہ سمت الراس سے گذر کے مرکز میں گذرتا ہوا قرص کے کنارے کو قطع کرے۔

دائرہ ارتفاع — Vertical circle

وہ دائرہ عظیمہ جو کسی مقام کے سمت الراس اور سمت القدم میں گذرتا ہو ایسے بیشمار دائرے فرض کئے جا سکتے ہیں جو سمت الراس وسمت القدم میں گذرتے ہوئے کسی جرم آسمانی میں گذریں اور افق کو دو نقطوں پر قطع کریں۔

دائرہ اول السموت — Vertical Prime

منجملہ دوائر ارتفاع وہ جو دائرہ افق کو دو نقطہ مشرق ومغرب پر قطع کرے۔ اس دائرہ کو اول مان کے دوسرے ارتفاعی دائروں کی سمت کا تعین اس قوس یا زاویہ سے ہوتا ہے جو کہ نقطہ مشرق یا مغرب اور دوسرے دائرہ ارتفاع کے نقطہ تقاطع دائرہ افق کے درمیان ہو۔

وسطار۔ — Vesta

چھوٹا سیارہ منجملہ ان سیاروں کے جو مداریں مریخ اور مشتری کے درمیان واقع ہیں اور آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں۔ اس کو اوڈریس نے ۲۹ مارچ ۱۸۰۷ء کو دریافت کیا تھا مدت دورہ ۱۳۲۹ء۳ سال بعد اوسط ۲۳۶ء۲ بعد الارض = واحد) یہ اکثر چھوٹے سیاروں سے روشن تر ہے قدر نجومی اوسط مقابلہ کے وقت ½۶ اور اکثر بغیر دوربین کے بھی نظر آیا ہے۔ اس کا قطر غالباً ۲۰۰ میل ہے۔

Via Lactea or Milkyway — کاہکشاں - مجرّہ

Vinde miatrix E virginis

Virg (The virgin) — خوشہ سنبلہ العذرا کنیاں۔

چھٹے برج کا نام ہے اس کا مشہور روشن ستارہ العذرا ہے۔

Vis viva — مضروب مایہ جسم متحرک و مجذور رفتار۔

Volans (The Flying Fish) — سمکہ طیّارہ۔

اشکال جنوبی سے ہے۔

Vulpsecula (The Fox) — ثعلب۔

اشکال شمالی سے ہے۔

Waning moon — قمر ناقص النور۔

کمال سے محاق تک جب روز بروز روشنی کم ہوتی ہے۔ اس کا مقابل زائد النور ہے محاق سے کمال تک۔

Wasat Geninoorum — د الجوزا۔

Waxing moon — قمر زائد النور

Wedge photometer — مختلف النور

ناگ پھنی کی شکل کا ایک منشور رنگین شیشہ کا ستارہ کی چمک کو کم کرنے کے لئے کام میں لاتے ہیں۔

Wezen Sconis majoris — کلب اکبر

اوراق خیزرانی - اوراق البید۔

اوراق خیزرانی ۔ اوراق البید Willow Leaves

آفتاب کی سطح پر کچھ نشان اس شکل کے ہیں ان کو ارزیات بھی کہتے ہیں یعنی دھان اور چاول کی شکل کے نقطہ دائرۃ البروج جو میل کلی کے فاصلہ پر ہے ۔

انقلاب شتوی Winter Solstice

دسمبر کی ۲۲ تاریخ آفتاب اس نقطہ پر آتا ہے سب سے چھوٹا دن اس کا مقابل انقلاب صیفی ہے جہاں آفتاب ۲۱ جون کو پہنچتا ہے سب سے بڑا دن جنوب میں اس کے بالعکس ہے ۔

سال مرکزی Year Anomalistic

وہ مدت دورہ کی جو زمین کے بعد اقرب حضیض سے پھر اسی نقطہ تک آفتاب کو توالی بروج حرکت کرنے میں گذرتی ہے ۔ قدیم اصطلاح اس کو اوج سے اوج تک کی حرکت کہتے ہیں ۔

سال قانونی Year Civil

لفظی معنی سال تمدنی ۔ اس میں کسرات نہیں لئے جاتے ہر سال ۳۶۵ یوم کا ہوتا ہی چوتھا سال ۳۶۶ یوم کا الاصدی کا سال اگر چار سو سے قسمت پذیر نہ ہو تو وہ سال کبیسہ نہ لیا جائیگا ۔

سال کبیسہ Year Leap

سال نجومی Year Sidereal

آفتاب کا دورہ کسی ستارہ ثابت سے بھی اسی ستارہ تک توالی بروج میں ۔ اس کی مدت ۳۶۵ دن ۶ گھنٹہ ۹ منٹ ۹٫۳۱ سکنڈ ہے ۔

سال قمری Year Synodic

بارہ قمری مہینوں کی مدت

سال شمسی حقیقی Year Tropical

آفتاب کا نقطہ اول حمل سے پھر اسی نقطہ تک پہنچنا ۔ سال شمسی حقیقی سال نجومی سے اس لئے چھوٹا ہوتا ہے کہ جب تک آفتاب نقطہ اول حمل سے چلتے چلتے پھر اسی نقطہ پر پہنچتا ہے اس مدت میں نقطہ اول حمل تقریباً پچاس ثانیہ

خلاف توالی حرکت کرچکا ہی۔ چونکہ یہ حرکت خلاف حرکت آفتاب کے ہی لہذا منفی ہوگی۔ اسی مدت میں اوج آفتاب تقریباً ۱۱ ثانیہ حرکت توالی کرتا ہے۔ پس حرکت استقبالی میں اس کو بقاعدہ الجبرہ منفی کرنا ہوگا لہذا جمع ہوجائے گی اس طرح گویا حرکت ۱۰ ثانیہ محسوس ہوگی۔ متاخرین ہنود اس کو ایک دقیقہ محسوب کرتے ہیں۔ زیج محمد شاہی میں بھی حرکت اوج تقریباً ایک دقیقہ مانی گئی ہے جو کہ مجموعہ دونوں حرکتوں کا ہی۔ مال شمسی حقیقی کی مدت محقق نے ۳۶۵ ایام ۵ ساعت ۴۹ ثانیہ لکھی ہے۔

ح النہر۔ زورق — Zaurac γ Eridani

ب۔ العذرا — Zairjava B γ Virginis

سمت الراس — Zenith

وہ نقطہ جو ناظر کے سر پر آسمان میں ہوتا ہے۔

یہ وہی نقطہ ہے کہ اگر ایک شاقول کو لٹکائیں تو وہ سمت مرکز ارضی میں ہوتا ہے اگر اس کو اس سمت میں اوپر کی طرف بڑھالی جائیں تو نقطہ سمت الراس اور نیچے کی طرف بڑھانے سے نقطہ سمت القدم میں منتہی ہوگا۔

تحقیق کے قابل یہ امر ہے کہ نقطہ سمت الراس اور سمت القدم میں جو خط واصل ہے وہ محدود ہے یا غیر محدود۔ جواب یہ ہی کہ وہ محدود ہے اس لئے کہ بنائے ابعاد فلسفہ میں ثابت ہی علم ہیئت میں اس کے محدود ماننے کے اور وجوہ بھی ہیں جس کو ہم حسب موقعہ بیان کریں گے۔

بعد سمت الراس۔ — Zenith Distance

وہ زاویہ جو سمت الراس اور کسی نقطہ فلکی میں ہو۔ اگلی اصطلاح زاویہ تمام ارتفاع کو ۹۰ درجہ سے نقصان کرنے سے جو باقی رہتا ہے وہی بعد سمت الراس ہے۔

Zenith sector — وہ آلہ جو بعد سمت الراس کی پیائش کے لئے استعمال کرتے ہیں

منطقہ — Zodiac

منطقہ البروج دائرہ البروج کے دونوں طرف ۹ درجہ تک منطقہ البروج کی چوڑائی مانی گئی ہی۔ پوری چوڑائی ۱۸ درجہ ہوئی۔ دائرہ البروج کے قریب قریب آفتاب ماہتاب اور سیارے گردش کرتے ہیں۔ آفتاب یا زمین

عدیم العرض ہے۔

عدیم العرض اس نقطہ کو کہتے ہیں جو ٹھیک دائرہ البروج پر ہو۔ جب کوئی ستارہ اپنی گردش میں ٹھیک دائرۃ البروج پر آجاتا ہے تو اس کو بھی عدیم العرض کہتے ہیں آفتاب دائمی عدیم العرض ہے تقریباً۔

Zedoiacal Light

ایک مخروطی شکل روشنی اکثر سطح افق پر طلوع سے پہلے یا غروب کے بعد ظاہر ہوتی ہے طلوع صبح صادق سے پہلے مشرق میں اور غروب شفق کے بعد مغرب میں۔ فصل بہار میں غروب کے بعد اور فصل خزاں میں طلوع صبح صادق سے پیشتر۔ قیاس یہ ہو کہ ایک سحابی غلاف آفتاب کے گرد ہے۔ دائرہ البروج کے قریب یہ مادہ زیادہ گہرا ہے۔

Zones. اقالیم۔ منطقات

اگلے زمانہ میں ایسے سات منطقہ شمار کئے جاتے تھے۔ اس زمانہ میں پانچ مشہور ہیں۔ منطقہ حارہ منطقہ حارہ کے شمال میں منطقہ معتدلہ شمالی اور جنوبی منطقہ معتدلہ جنوبی قطب کے گرد۔ دائرہ قطب شمالی دائرہ قطب جنوبی کو منجمد کہتے ہیں اس لئے کہ برف کی کثرت سے یہاں بہتا ہوا پانی مفقود ہے۔

Zosma S Leonis

Zuben el. Chameli B Libra — زمانہ الشمالی۔

Zuben el. Genubi x Libra — زمانہ الجنوبی

Zuben-el. Hakrali x libra

اہلِ یورپ نے اُردو زبان کی کیا خدمت کی؟

از

عبدالحق

(نمبر ۲)

انگریزوں کی سعی (فورٹ ولیم کالج کلکتہ)

ایسٹ انڈیا کمپنی کے حالات میں دفتر کے دفتر بھرے پڑے ہیں، اس لئے اس کی ابتدا، اس کی غرض و غایت اور اس کے کارناموں کے متعلق یہاں کچھ لکھنا بے سود ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں یہ عجیب و غریب واقعہ ہے۔ اب تک یہاں کوئی فرماں روا تجارت کے بھیس میں نہیں آیا تھا اور اس لئے کسی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ اجنبی تاجر کوٹھیاں بناتے بناتے قلعے تعمیر کرنے لگیں گے اور بیوپار کرتے کرتے حکمرانی فرمانے لگیں گے۔ بادِ مراد اُن کے جہازوں کے آگے آگے اور کشتی کی دھنواد اُن کے پیچھے پیچھے تھی۔ خود ملک کے حالات نے اُن کی مساعدت کی۔ اُن کے تدبّر اور دانشمندی اور اہلِ ہند کے نفاق اور ناعاقبت اندیشی سے حکومت خود بخود کھچ کر اُن کے پاس آ گئی۔ تجارت کے فروغ کے لئے ضرور ہے کہ تاجر ملک کی زبان اور حالات سے واقف ہوں اور جہاں تجارت کے ساتھ حکومت کا سایہ بھی ہو تو ملک کی زبان، اہل ملک کی عادات اور رسم و رواج

اور اُن کے قوانین کا جاننا لازم ہوجاتا ہے۔ اس خیال سے لارڈ ولزلی نے ۴ مئی ۱۸۰۰ء میں ایک مدرسہ بنام فورٹ ولیم کالج کلکتے میں قائم کیا۔

اس کے مقاصد خود بانیِ کالج مارکوئس ولزلی نے اپنی یادداشت موسومہ بورڈ آف ڈائرکٹرز مورخہ ۱۰ اگست ۱۸۰۰ء میں جو بیان کئے ہیں اُن کا لب لباب یہ ہے:۔

ملازمینِ کمپنی کو مختلف السنہ و مذاہب اور اطوار و عادات کے کروڑوں لوگوں کے عدالتی معاملات فیصلہ کرنے، اضلاع کی مال گزاری کا انتظام کرنا اور اُن کے جھگڑے چکانے پڑتے ہیں۔ علاوہ اس کے عدالتوں میں وکلا کی اور ضروری کارروائی دیسی زبانوں کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ قانون انگریزی نہیں بلکہ یہاں کا قدیم قانون ہے جس میں سرکار انگریزی (برٹش گورنمنٹ) کی طرف سے بہت کچھ ترمیم و اضافہ ہوا ہے۔ اس لئے مجسٹریٹوں کے فرائض بہت پیچیدہ اور اہم ہوگئے ہیں۔ معمولی فرائض کے علاوہ ججوں، کلکٹروں، مجسٹریٹوں کو وقتاً فوقتاً گورنر باجلاس کونسل کے سامنے موجودہ قوانین کے متعلق ترمیمات وغیرہ پیش کرنی پڑتی ہیں، جس کے لئے انھیں اہل ملک کی خواہشات و ضروریات کا جاننا ضروری ہے۔ نیز یہ ضروری ہے کہ انتظام کے تمام شعبوں میں کمپنی کے ملازم ہوں اور انتظامی فرائض کچھ ایسے ہیں کہ تجارتی عادات اور تجارتی تعلیم کی حدود سے باہر ہیں۔ یہاں تک کہ وہ محکمہ جو بالکلیہ تجارتی محکمے کے نام سے موسوم ہے اُسے بھی یہاں والوں کی عادات اور حالات سے کماحقہ واقفیت ضروری ہے۔ ان تجارتی ایجنٹوں کو علاوہ تجارت کے اور بہت سے فرائض ادا کرنے ہوتے ہیں۔ تجارت کے فرائض برائے نام ہیں، اصل فرائض مجسٹریٹی، کلکٹری اور ججی کے ہیں۔ لہٰذا اُن کی تعلیم ایسی ہونی چاہیئے جو اِن خدمات کے مناسب ہو۔ اس کے علاوہ انھیں ہندوستانی باشندوں (ہندو مسلمانوں) کے قانون، مذہب تاریخ، زبان، عادات و رسوم سے واقف ہونا ضروری ہے۔ نیز انھیں انگریزی آئین و دستور، اصول اخلاق اصول قانون، قوانین اقوام اور عام تاریخ سے بھی واقف ہونا چاہیئے اور ابتدا ہی سے اُن میں محنت، راستبازی مذہب اور حزم و احتیاط کی عادات اُن کے دلوں میں پیدا کرنی چاہئیں تاکہ اہل ہند کی بداخلاقیوں اور خرابیوں سے جو یہاں کی آب و ہوا سے (یہاں کی دولت اور عیش کی بدولت۔ مولف) پیدا ہوتی ہیں محفوظ رہیں۔

اِن اصول پر تعلیم کا انتظام (جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے) یورپ اور ہندوستان میں کہیں نہیں ہے۔ انگلستان

سے محرر عموماً سولہ سے اٹھارہ برس تک کی عمر کے آتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی تعلیم بالکل غلط اصول پر ہوتی ہے جو یہاں کے مناسب نہیں ہوتی۔ عام تعلیم بہت محدود اور کم ہوتی ہے، زیادہ تر تجارتی تعلیم ہوتی ہے۔ وہ سوائے ادنیٰ درجے کے کاموں کے اور کوئی کام نہیں کرسکتے۔ اور جن کی تعلیم اچھی ہوتی ہے اُن کو اپنی تعلیم کی ترقی اور مطالعہ کا موقع نہیں ملتا۔ انگلستان سے آتے ہی اندرون ملک میں ایسی خدمات پر مقرر ہوجاتے ہیں، جن کے متعلق جو ضروری معلومات ہونی چاہئیں وہ نہیں ہونے پاتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ نا اہل اور کاہل ہوجاتے ہیں اور جو احاطے کی دارالحکومت (پریسیڈنسی ٹاؤن) کے دفاتر میں متعین ہوتے ہیں وہ صرف کاغذوں کی نقلیں کرتے رہتے ہیں، اس لئے انھیں انتظامی معاملات کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ محرر ہمیشہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔

ان نقائص کو لارڈ موصوف نے پانچ قسموں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ یورپ میں تعلیم کا غلط طریقہ، جو صرف تجارتی تعلیم تک محدود ہے۔

۲۔ جو تعلیم صحیح طور سے یورپ میں شروع ہوتی ہے اس میں بے وقت خلل واقع ہوجاتا ہے۔

۳۔ نوجوان جب پہلے پہل ہندوستان میں آتے ہیں تو اُن کی حالت بے یار و مددگار، لاوارثوں کی سی ہوتی ہے اور ابتدائے ملازمت میں کوئی اُن کی اخلاقی اور مذہبی حالت کا نگراں اور رہنما نہیں ہوتا۔

۴۔ کسی ایسے انتظام کا نہ ہونا جہاں باقاعدہ تعلیم ہوتی ہو اور جہاں یہ نوجوان یورپین تعلیم کے نقائص کی اصلاح اور اس کے فوائد کے قیام اور استحکام کی صورت پیدا کرسکیں اور اہل ہند کی السنہ اور رسوم وعادات اور قوانین کا علم اور ایسی معلومات حاصل کرسکیں جو اُن کے فرائض انجام دینے میں مفید اور کارآمد ثابت ہوں۔

۵۔ ایسے قواعد اور ضوابط کا نہ ہونا جن کے رو سے اہل اور قابل ملازمین کو سول سروس (ملکی ملازمت) میں مناسب ترقی مل سکے۔

ان نقائص کی اصلاح کے لئے خالص یورپی یا نری ہندی تعلیم کافی نہیں ہوسکتی۔ اس میں دونوں یورپی اور ایشیائی حکمت عملی (پالیسی) اور سیاست (گورنمنٹ) کے اصول ایک جا جمع کرنے ہونگے۔ اس لئے ان کی تعلیم دونوں سے مرکب یعنی "دورُسی" ہونی چاہئیے۔ اس کی بنیاد تو انگلستان میں پڑے اور اوپر کی

عمارت باقاعدہ ہندوستان میں تکمیل پائے۔

انگلستان میں کیسا ہی انتظام کیوں نہ کیا جائے، ہندوستان کے رسم و رواج، قوانین اور زبانوں کا علمی علم کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ سر ولیم جونس جب ہندوستان آئے تو ہندوستان والے اُن کی بات مطلق نہیں سمجھتے تھے

دوسرے ضروری امور سے بحث کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں کہ: "فرنچ رے وولوشن (انقلاب فرانس) نے تمام یورپ میں ہل چل مچا دی ہے اور وہ خطرناک اصول کمپنی کے فوجی اور ملکی ملازمین تک پہنچ گئے ہیں اور حکومت نیز سیاسی اور مذہبی خیالات میں اختلال پیدا ہوگیا ہے۔ کیڈٹوں اور محرروں کی بے قاعدہ اور ناقص تعلیم سے اس خطرے کا اندیشہ زیادہ ہوجائے گا، لہٰذا ایک ایسی درسگاہ مذہب و حکومت کے صحیح اصول اُن کے دلوں میں قائم کرے گی۔"

اس کے بعد نصاب تعلیم، قواعد و ضوابط وغیرہ سے بحث کی ہے۔ مثلاً سال میں چار ٹرم (میقاتیں) ہونگی اور چار تعطیلیں ایک ایک مہینے کی۔ ہر سول سرونٹ (ملکی ملازم) جس کی ملازمت تین سال سے کم ہوگی اور کالج کا طالب علم ہوگا، اُسے علاوہ مکان اور طعام کے تین سو روپیہ ماہانہ دیا جائے۔ فورٹ سینٹ جارج (مدراس) اور بمبئی کے جونیر سول سرونٹ بھی اس سے مستفید ہوسکیں گے۔ ایشیائی زبانوں میں عربی، فارسی، سنسکرت، ہندوستانی، بنگالی، تلنگی، مرہٹی، تامل، کنڑی کی اور یورپی زبانوں میں یونانی، لاطینی اور قدیم انگریزی کی تعلیم ہوگی۔ تاریخ عامہ، قدیم و جدید ہندوستان اور دکن کی تاریخ، قدیم حالات و آثار، نیچرل ہسٹری (معلومات فطرت) نباتات، کیمیا، ہیئت، شرع اسلامی، ہندو شاستر، علم اخلاق، اصول قانون، قانون اقوام، معاشیات (خصوصاً کمپنی کی تجارتی اغراض) جغرافیہ، ریاضی، آئین و قوانین جو گورنر جنرل باجلاس کونسل یا گورنران بمبئی و مدراس باجلاس کونسل نے انگریزی علاقے کے نظم و نسق کے لئے وضع کئے ہوں۔

لارڈ ولزلی ایک خودسر مطلق العنان اور خود پسند فرماں روا تھا۔ اس نے بورڈ آف ڈائرکٹرز کی اجازت اور اطلاع بغیر کالج قائم کردیا اور بعد میں تفصیلی اطلاع دے کر اجازت حاصل کرنے کی درخواست کی۔ کورٹ آف ڈائرکٹرز کو ایسے وسیع پیمانے پر کالج قائم کرنے سے اختلاف تھا۔ اُن کا منشا یہ تھا کہ مسٹر گلگرسٹ کے مدرسے کو توسیع دے کر انھیں کی نگرانی میں چلایا جائے اور اس میں ہندوستانی، فارسی، بنگالی زبانوں کی تعلیم کے

علاوہ قوانین وضوابط کی تعلیم کا بھی اضافہ کردیا جائے اور اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے مدرسے مدراس اور بمبئی میں قائم کردیئے جائیں۔ اصل یہ ہے کہ ڈائرکٹروں کو لارڈ ولزلی کی پالیسی سے اختلاف تھا۔ اس نے لشکرکشی اور ملک گیری سے اخراجات بڑھا دیئے تھے۔ ڈائرکٹر ملک گیری نہیں چاہتے تھے وہ منافع کے خواہاں تھے۔ اگرچہ کالج کی تجویز شاندار اور مفید تھی لیکن وہ لارڈ ولزلی کی طبیعت اور اس کی کارستانیوں سے خوب واقف ہوگئے تھے اور انھیں اندیشہ تھا کہ جو کیڈٹ اس میں تعلیم پائیں گے اُن کے دل ودماغ میں شہنشاہیت اور ملک گیری کے خیالات جاگزیں ہونگے اور وہ ایک قسم کی سیاسی غارت گر ہوجائیں گے جو اُن کی (ڈائرکٹروں کی) پالیسی کے حق میں خطرناک ثابت ہونگے۔ یہی اصل وجہ اُن کے اختلاف کی تھی۔ گورنر جنرل نے اس کے جواب میں بہت پُرزور یادداشت لکھی اور کلکتہ میں کالج قائم کرنے کی مصلحت اور فوائد پر مدلل بحث کی۔ نیز یہ بتایا کہ اگر الگ الگ مدرسے بنائے گئے تو علاوہ ان مضامین اور زبانوں کے جو یہاں پڑھائی جاتی ہیں مقامی زبانوں کی بھی تعلیم دی جائے گی، اس سے خرچ کا زیادہ بار نہ پڑے گا۔ فورٹ ولیم کالج کے خرچ کا اندازہ اس وقت چار لاکھ روپیہ کیا گیا تھا۔ کورٹ آف ڈائرکٹرز کا بڑا اعتراض یہ تھا کہ اس درسگاہ سے کمپنی کے اخراجات میں معتدبہ اضافہ ہوجائے گا۔ گورنر جنرل نے اس کا بہت معقول جواب دیا اور لکھا کہ یہ اخراجات جدید ذرائع آمدنی سے کئے گئے ہیں اور اس سے کوئی نیا بار کمپنی پر عائد نہ ہوگا اور اگر موجودہ ذرائع سے آمدنی نہ ہوئی تو اور بہت سے ایسے ذرائع ہیں جن سے ہم کالج کے لئے رقم نکال سکتے ہیں۔ گورنر جنرل نے ایک ذریعہ آمدنی کا اور بھی بتایا، یعنی جنرل مارٹین کی وصیت کے رو سے ۳ لاکھ روپیہ کالج کو اور مل جائے گا۔ نیز ایک رقم جنرل موصوف نے لکھنؤ میں ایک علمی ادارے کے قائم کرنے کے لئے چھوڑی ہے، امید ہے کہ نواب وزیر جن کی زیر ہدایت وسرپرستی یہ رقم خرچ ہوگی، وہ بخوشی فورٹ ولیم کالج کو مرحمت فرمادیں گے۔ اور آخر میں یہ تحریر فرمایا کہ کمپنی کی مالی حالت روز بروز روبہ ترقی ہے۔ قرض کی مناسبت سے آمدنی بھی بڑھی ہے؛ مال گزاری کی رقم میں کافی بچت ہوئی ہے اور اخراجات (خصوصاً فوج کے اخراجات) میں کمی کرنے سے نیز ذرائع آمدنی بڑھ جانے سے مالی مشکلات کا کوئی اندیشہ نہیں۔ قطع نظر اس کے یہ رقم کمپنی کے ایسے مقاصد پر خرچ ہونے والی ہے جو کمپنی کے اغراض کے لئے نہایت مفید ثابت ہونگے۔

چونکہ ڈائرکٹروں کے احکام کالج کی مسدودی کے متعلق تھے، لہذا اُن کی تعمیل واجب تھی۔ یہ احکام ۱۵ رجون ۱۸۰۲ء کو پہنچے اور گورنر جنرل باجلاس کونسل نے ۲۴ رجون کو کالج کی مسدودی کا حکم نافذ کردیا لیکن بعض مجبوریاں ایسی تھیں کہ یہ حکم کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کرنا پڑا۔ التوا کی جو وجوہ گورنر جنرل نے اپنے مراسلہ میں بیان کی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے۔

باوجودیکہ اخراجات کا بار نہ تھا، کورٹ کے احکام اس قسم کے ہیں کہ اُن کی تعمیل لازم تھی۔ لہذا باتباع احکام والا میں نے باجلاس کونسل (۲۴ جون کو) کالج کی مسدودی اور اخراجات کے بند کردینے کا حکم دیدیا۔ لیکن ایک پیچیدہ اور مشکل مسئلہ یہ پیش آگیا کہ کالج کب بند ہو، اخراجات کب موقوف ہوں، قواعد وضوابط کی تنسیخ کب عمل میں آئے وغیرہ وغیرہ ....

اس فیصلے کے بعد یہ مسائل پیش آتے ہیں کہ طلبہ، مدرسین، پروفیسر اور دیسی علما کا کیا حشر ہوگا۔ نیز دفعۃً کالج بند کردینے سے طلبہ کے حق میں صریح ظلم ہوگا۔ اُن کی تعلیم جو اس وقت ہو رہی ہے یک لخت بند ہوجائے گی۔ اور جب بعض طلبہ بمبئی یا فورٹ سینٹ جارج جائیں گے تو وہاں اس کی تکمیل نہ ہوسکے گی اور مدت تک وہ تعلیم کے فوائد سے محروم رہیں گے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ اُن پریسیڈنسیوں میں درسگاہیں قائم ہوتے ہوتے کچھ عرصہ درکار ہوگا علاوہ اس کے مدرسین اور پروفیسروں کے حق میں بھی ناانصافی ہوگی۔ وہ اپنے تمام اشغال اور کام چھوڑ کر اس کالج کے مقاصد کی ترقی میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ نیز انھیں مالی نقصان بھی ہوگا۔ ان کی محنت اور توجہ سے مشرقی السنہ میں متعدد تصانیف اور تالیفات طبع ہوچکی ہیں، بعض زیر طبع ہیں، ان میں سے بعض کتابوں کا بہت سا حصہ اس سال ختم ہوجائے گا۔ بہت سے دیسی علما اور مصنفین ایشیا کے مختلف اور دور و دراز مقامات سے بلا بلا کر فورٹ ولیم کالج میں رکھے گئے ہیں، جو اعزازی اور مالی صلے کی امید پر کالج کے لئے تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں۔ دفعۃً اُن کی علٰحدگی اُن کے حق میں ناانصافی ہوگی، جس سے نہ صرف اُن کا مالی نقصان ہوگا بلکہ جو کتابیں وہ تصنیف کررہے ہیں وہ بھی رہ جائیں گی۔

لہذا ان خیالات کی بنا پر اور محض بنظر انصاف میں مجبور ہوں کہ کالج کی مسدودی کے احکام ۳۱ دسمبر ۱۸۰۳ء تک ملتوی کردوں۔

اس طویل مراسلہ کے آخر میں گورنر جنرل نے بہت ہی ادب سے اور گڑگڑا کر یہ التجا کی ہے کہ ان فوائد پر نظر کرکے جو اس کالج کے قیام سے کمپنی کو پہنچنے والے ہیں اور آیندہ جو اعلیٰ نتائج اس سے سلطنت کے حق میں مقرب ہونگے (جن کا ذکر اس نے مدلل اور مفصل طور سے اپنے اس مراسلہ میں کیا ہے) ڈائرکٹر صاحبان اپنے اس فیصلہ پر نظر ثانی فرمائیں گے اور گورنمنٹ، اس کے ملازمین اور اس ملک کو اس نعمت سے محروم نہ کرینگے اور کم سے کم اس وقت تک اسے جاری رکھنے کی اجازت دیں گے جب تک میں بذات خود آنریبل کورٹ کی حضوری میں حاضر ہوکر اس مدرسہ کے حالات و اثرات کے متعلق عرض کروں۔ گورنر جنرل (لارڈ ولزلی) نے اس مدرسہ کی مسدودی کا ذکر ایسے درد بھرے الفاظ میں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کورٹ کے اس فیصلے سے انھیں سخت قلق اور صدمہ ہوا تھا۔ لیکن ڈائرکٹر لارڈ ولزلی کی کارروائیوں سے بہت ناراض تھے اور وہ اس کی پالیسی کو کمپنی کے حق میں مضر خیال کرتے تھے۔ اس لئے وہ کسی طرح اس تجویز پر راضی نہ ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اگرچہ کالج اصل تجویز کے مطابق اعلیٰ پیمانے پر تو نہ رہا مگر فنا ہوتے ہوتے بچ گیا اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے لارڈ ڈلہوزی بلکہ کمپنی کے دم تک قائم رہا۔

فورٹ ولیم کالج کی اس مختصر تاریخ کے بعد جس کا بیان کرنا ضروری تھا میں اب اس کے کام پر ایک نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔

کالج کے زبردست بانی لارڈ ولزلی کی تجویز کامل طور پر منظور نہ ہوئی اس لئے علوم خارج کر کے اس میں صرف زیادہ تر دیسی اور مشرقی زبانوں کی تعلیم ہوتی تھی۔ زبانوں میں یہاں کے طلبہ اردو اور فارسی زیادہ پڑھتے تھے۔ اس کے بعد بنگالی کا درجہ تھا۔ عربی اور سنسکرت میں بہت ہی کم تعداد ہوتی تھی۔ امتحانات کے نتائج سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی کوئی طالب علم یونانی یا لاطینی یا فرانسیسی میں بھی امتحان دے بیٹھتا تھا۔ لیکن کالج میں اس کی تعلیم کا خاص انتظام نہ تھا۔ البتہ اس قدر اجازت تھی کہ اگر کوئی کونسل چاہے تو موجودہ پروفیسر جو اس کے اہل ہوں علاوہ عربی فارسی، ہندوستانی، سنسکرت، بنگالی کسی دوسری زبان کی بھی تعلیم دے سکتے ہیں۔ چند سال مرہٹی کا بھی انتظام رہا۔ انگریزی مضمون نویسی بھی امتحان میں تھی۔ قانون کی پروفیسریاں توڑ دی گئیں اور امتحانات موقوف کردیئے گئے۔ جن دیسی زبانوں کی تعلیم ہوتی تھی ان کی خطاطی کا بھی انتظام

تھا اور اس کا امتحان بھی ہوتا تھا اور جو درجۂ اعلیٰ میں کامیاب ہوتے تھے انھیں ادبی کامیابی کی طرح انعام اور تمغے دیئے جاتے تھے۔ انعامات کی مقدار، پندرہ سو، ہزار اور پانسو تھی۔ امتحانات کے نتائج اور پروفیسروں اور منشیوں، مولویوں اور پنڈتوں کی فہرست دیکھنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی اور فارسی کی تعلیم کالج میں خاص طور سے پیش نظر تھی کیونکہ زیادہ تر طلبہ انھیں زبانوں کی تحصیل کا شوق ظاہر کرتے تھے۔

ہندی علما اور پنڈت اور منشی علاوہ طلبہ کی تعلیم کے تصنیف وتالیف کا کام بھی کرتے تھے۔ دیسی آدمی یا کم سے کم غیر عیسائی شخص پروفیسر نہیں ہوسکتا تھا۔ کالج کا ضابطہ اس کا مانع تھا۔ اس میں صاف لکھا ہے:

"ہر گاہ کہ فورٹ ولیم کا کالج عیسائی مذہب کے اصول پر مبنی ہے اور اس کا مقصد صرف یہی نہیں ہے کہ مشرقی علم ادب کو ترقی دی جائے اور طلبہ کو اُن خدمات و مناصب کے فرائض کی تعلیم دی جائے جن پر وہ سلطنت ہند میں فائز ہونگے اور وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملکی عہدہ داروں کے دلوں میں برطانیۂ عظمیٰ کے دانشمندانہ قوانین اور قابل قدر دستور کی وقعت قائم کریں گے، بلکہ ایک مقصد یہ بھی ہے کہ دنیا کے اس حصے میں عیسائی مذہب کو قائم رکھا جائے اور اس کی حمایت کی جائے۔ لہذا آگاہ کیا جاتا ہے کہ اس درسگاہ میں کسی کو کوئی اعلیٰ عہدہ یا پروفیسری یا لکچراری کی خدمت نہ دی جائے گی جب تک وہ بادشاہ کی وفاداری کا حلف نہ اُٹھائے گا اور مفصلہ ذیل اقرار نہ کرے گا۔

"میں فلاں .. .. اقرار صالح کرتا ہوں اور یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں نج کے طور پر یا علانیہ ایسے عقائد اور آرا کی تعلیم نہ دونگا اور نہ خود اُن کو مانوں گا جو عیسائی مذہب یا چرچ آف انگلینڈ کی تعلیم وارکان کے خلاف ہیں .. .. وغیرہ"

اس اقرار کی بنا پر کسی غیر عیسائی کا پروفیسر یا لکچرار ہونا ناممکن تھا، بلکہ ہر عیسائی بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ علاوہ اس کے دیسی کو وہ اس قدر تنخواہ کیوں دینے لگے تھے جو انگریزوں یا دوسرے یورپیوں کو دیتے تھے۔ اس لئے جتنے ہندوستانی، انگریز طلبہ کی تعلیم یا تصنیف وتالیف اور ترجمے کی غرض سے ملازم رکھے گئے تھے وہ منشی یا پنڈت کہلاتے تھے۔

یہ کچھ بھی سہی، لیکن اس میں مطلق شبہ نہیں کہ اس کالج نے دیسی زبانوں اور خاص کر ہندوستانی

زبان کے لئے بہت مفید کام کیا۔ اگر کمپنی کے ڈائرکٹر لارڈ ولزلی کی تجویز سے اختلاف نہ کرتے اور اس پر پورا عملدرآمد ہوتا اور حسب ضرورت اس کے مقاصد میں توسیع کی جاتی اور سیاسی اغراض اس کی تہ میں نہ ہوتے تو یہ کالج عظیم الشان علمی خدمت انجام دیتا اور ممکن تھا کہ اس کالج کی مثال ہوتے ہوئے لارڈ ولیم بنٹنگ اور اُن کے فاضل رفیق بلکہ شریک غالب لارڈ میکالے کو اس بدنصیب ملک کی تعلیم کی بساط الٹ دینے کی جرأت نہ ہوتی۔

احسان فراموشی ہوگی اگر اس موقعے پر ہم ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے احسانات کا اعتراف نہ کریں ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے جس شوق، مستعدی اور انہماک سے اُردو زبان کی تحصیل و تعلیم اور ترویج میں کوشش کی وہ ہر طرح قابل داد ہے اور حقیقت یہ ہے کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام کا خیال بھی ڈاکٹر صاحب ہی کی مساعی سے پیدا ہوا۔ ابتدا اس کی اس طرح ہوئی کہ جو نوجوان انگلستان سے بنگال کی سول سروس میں مقرر ہو کر آتے تھے اُن کو ماہانہ تیس روپئے منشی کا الونس دیا جاتا تھا۔ اس الونس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ملک کی زبان اور خاص کر فارسی زبان کی تعلیم حاصل کریں۔ لیکن منشی عموماً انگریزی زبان سے ناواقف ہوتے تھے اور جب تک یہ نوجوان محرر "ہندوستان کی عام مشترکہ بولی ہندوستانی میں مہارت حاصل نہ کرلیں وہ منشیوں سے گفتگو نہیں کرسکتے تھے، اس لئے انھیں اس سے بہت کم فائدہ پہنچتا تھا۔ اس نقص کے رفع کرنے کے لئے اور ان نوجوانوں کو ہندوستانی زبان کی صرف و نحو سے واقف کرانے کے لئے مسٹر گلکرسٹ مصنف "ہندوستانی لغات و ہندوستانی صرف و نحو" نے یہ تجویز پیش کی وہ انھیں اس زبان میں روزانہ درس دیا کریں گے تاکہ اس قابل ہوجائیں کہ منشی سے فارسی میں درس حاصل کرنے کی استعداد پیدا کرلیں ۔ علاوہ اس کے وہ فارسی زبان کے ابتدائی سبق بھی انھیں دیں گے۔ اس کے لئے سوائے اس الونس کے جو اب منشی کے نام سے دیا جاتا ہے کوئی اور معاوضہ نہیں چاہتے۔ یعنی یہ الونس جو ہر محرر (سول سروس) کو دیا جاتا ہے، انھیں ادا کیا جاوے "۔

گورنر جنرل با جلاس کونسل نے اسے بہت پسند کیا اور یہ قرار دیا کہ "کمپنی (بنگال) کے معاملات اور اندرونی حکومت کے مناسب انتظام کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی سول سرونٹ (ملکی ملازم) کا تقرر ذمہ داری اور اعتماد کے عہدے پر اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک یہ تحقیق نہ کرلیا جائے کہ وہ ضوابط و قوانین نافذ کردہ گورنر جنرل با جلاس کونسل اور اُن زبانوں کا کافی علم رکھتا ہے جن کا جاننا اُن عہدوں کے فرائض کی انجام دہی

کے لئے لازم ہے۔ لہذا گورنر جنرل با جلاس کونسل بنگال کمپنی کے ملکی عہدہ داروں کو آگاہ کرتے ہیں کہ یکم جنوری ۱۸۰۱ء اور اس کے بعد سے کوئی ملازم اُن عہدوں میں سے جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے کسی کا مستحق نہیں ہو سکتا جب تک وہ قوانین وضوابط اور اُن زبانوں کے امتحان میں کامیاب نہ ہو جن کا جاننا ان عہدوں کے لئے لابد ہے (امتحان کی نوعیت بعد میں قرار دی جائے گی)"[1]

بنگال کے ملکی عہدہ داروں کے لئے فارسی، ہندوستانی اور بنگالی کا جاننا ضروری قرار دیا گیا تھا۔ بورڈ آف فورٹ ولیم نے گورنر جنرل کی اس یادداشت کے مطابق ۲۱ دسمبر ۱۷۹۸ء میں یہ قرارداد منظور کی اور فروری ۱۷۹۹ء سے اس کے مطابق عملدرآمد شروع ہوگیا۔ فورٹ ولیم کالج کی تجویز اس کے بعد عمل میں آئی اور گویا یہ قرارداد اس کی پیش خیمہ تھی۔

میں ڈاکٹر گلکرسٹ کو اُردو زبان کا بہت بڑا محسن خیال کرتا ہوں۔ وہ نہ صرف ایک طرح سے فورٹ ولیم کالج کلکتہ کے قیام کا باعث ہوئے جس نے اُردو کی بہت بڑی خدمت کی، بلکہ اُنھوں نے اُردو کی توسیع و اشاعت کے لئے بہت کارآمد اور مفید کتابیں لکھیں، ملک کے قابل اہل زبان جمع کئے اور اپنی نگرانی اور ہدایت میں اچھی اچھی کتابیں لکھوائیں یا ترجمہ کرائیں۔ غالباً ڈاکٹر گلکرسٹ ہی کی سعی اور اثر کا نتیجہ تھا کہ اُردو کی رسائی سرکار دربار میں ہوئی اور آخر ۱۸۳۲ء میں فارسی کی جگہ دفتری زبان ہوگئی اور اُردو اور دوسری دیسی زبانوں کی کتابیں پہلے پہل اٹھارہویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں فورٹ ولیم کالج کے مطبع سے چھپ کر شائع ہونی شروع ہوئیں۔ اس میں بھی ڈاکٹر صاحب کی سعی اور توجہ شامل تھی اور انھیں کے نگرانی اور مشورے سے ٹائپ تیار ہوا۔

ذیل میں ہم اُن مولفین اور مترجمین کے نام (مع اُن کی تالیفات کے) لکھتے ہیں جنھوں نے فورٹ ولیم کالج میں اُردو کتابیں لکھیں یا ترجمہ کیں۔

۱۔ سب سے اول ڈاکٹر جان گلکرسٹ کا نام ہے جن کی تالیفات کا سلسلہ ۱۷۸۷ء سے شروع ہوتا ہے

---

[1] یادداشت گورنر جنرل مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۷۹۸ء

انھوں نے اُردو زبان پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں سے زیادہ مشہور یہ ہیں۔

(۱) انگریزی ہندوستانی لغت ۔ کلکتہ ۹۶-۱۷۸۷ء

(۲) ہندوستانی علم زبان (Hindoostanee Philology) جس میں انگریزی ہندوستانی اور ہندوستانی انگریزی کی فرہنگ اور شروع میں صَرف و نحو پر مقدمہ بھی ہے۔ دوسرے اڈیشن میں مع اضافہ و ترمیم شائع ہوا۔ اڈنبرا ۱۸۱۰ء

(۳) ہندوستانی کی صرف و نحو کلکتہ ۱۷۹۶ء

(۴) مشرقی زباندان (Oriental Linguist) یعنی ہندوستان کی مقبول زبان کا آسان مقدمہ۔ جس میں زبان کے ابتدائی مسائل اور انگریزی ہندوستانی اور ہندوستانی انگریزی لغت بھی شامل ہے۔ کلکتہ ۱۷۹۸ء

(۵) کتاب مذکورۂ بالا کا خلاصہ مع بعض اضافوں کے۔ کلکتہ ۱۸۰۰ء

(۶) فارسی فعل کا جدید نظریہ مع ہندوستانی مترادفات کے۔ کلکتہ ۱۸۰۱ء

(۷) ہندوستان کی سب سے بڑی اور مقبول زبان ہندوستانی کا رہنما (اجنبیوں کے لئے) کلکتہ ۱۸۰۲ء

(۸) اتالیق ہندی۔ یعنی فارسی طلبہ کے لئے ہندوستانی کی تحصیل کا آسان راستہ۔ یہ کتاب کالج کے شعبۂ ہندوستانی کے علمانے ڈاکٹر گلکرسٹ کی ہدایت و نگرانی میں ترجمہ اور مرتب کی۔ کلکتہ ۱۸۰۳ء

(۹) ہندی عربی آئینہ۔ یعنی ایسے عربی الفاظ کی جدولیں جن کا ہندوستانی زبان سے خاص تعلق ہے کلکتہ ۱۸۰۴ء

(۱۰) مکالمہ (انگریزی و ہندوستانی) یہ کتاب یورپینوں کے لئے تھی تاکہ عام مضامین پر بول چال میں انھیں مہارت حاصل ہو اور وہ ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ گفتگو کرسکیں۔ لندن ۱۸۲۰ء

(۱۱) قصص مشرقی (Oriental Fabulist) اس میں حکایات لقمان اور قدیم حکایات و قصص کا ترجمہ انگریزی سے ہندوستانی اور فارسی وغیرہ میں کیا گیا ہے۔ کلکتہ ۱۸۰۳ء وغیرہ

۲ - میر امّن۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ ۱۸۰۱ء میں کلکتے آئے۔ ان کی مشہور اور مقبول کتاب باغ و بہار

یا قصۂ چہار درویش ہے۔ ۱۸۰۱ء و ۲ء میں تالیف ہوئی درصل یہ امیر خسرو کی فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اور ۱۸۰۴ء میں چھپ کر شائع ہوئی اور اس کے بعد بارہا چھپی۔ ان کی دوسری کتاب گنج خوبی ہے جو ملا حسین کاشفی کی مشہور کتاب اخلاق محسنی کا آزاد ترجمہ ہے۔ ۱۸۰۲ء میں لکھی گئی۔

۳۔ میر محمد حیدر بخش حیدری۔ ان کی ایک کتاب توطوطا کہانی ہے جو فارسی کتاب طوطی نامہ کا ترجمہ ہے[۱] (کلکتہ ۱۸۰۲ء و ۱۸۰۴ء) دوسری کتاب گلِ مغفرت یا دہ مجلس ہے۔ اس میں مسلمان شہدا کے حالات آنحضرت صلعم سے لے کر شہادت کربلا تک درج ہیں (سنہ طبع ۱۸۱۲ء) تیسری کتاب آرائش محفل ہے جس میں حاتم طائی کے قصے درج ہیں اور فارسی کتاب کا ترجمہ ہے۔ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی (کلکتہ ۱۸۰۳ء) چوتھی کتاب گلزار دانش ہے جو فارسی کی مشہور کتاب بہار دانش سے اردو نثر میں ترجمہ کیا گیا ہے (۱۸۰۴ء) پانچویں کتاب تاریخ نادری فارسی کتاب کا ترجمہ ہے جس میں نادر شاہ کے حالات ہیں۔ حیدری کا انتقال ۱۸۲۸ء میں ہوا۔ چھٹی کتاب نظامی کی ہفت پیکر کا ترجمہ اردو نظم (مثنوی) میں کیا جو شائع نہیں ہوا۔

۴۔ میر بہادر علی حسینی (ہیڈ منشی شعبۂ ہندوستانی) انھوں نے میر حسن کی مشہور و مقبول مثنوی سحر البیان (بدر منیر و بے نظیر) کو اردو نثر میں لکھا اور اس کا نام نثر بے نظیر رکھا۔ ایک اور کتاب اخلاق ہندی کے نام سے لکھی جو ایک فارسی کتاب مفرح القلوب کا ترجمہ ہے اور فارسی کتاب سنسکرت تصنیف ہتو پادیشا سے ماخوذ ہے۔ اس کے کئی مختلف ترجمے فارسی میں قصۂ کلیلہ دمنہ کے نام سے مشہور ہیں۔ میر صاحب کی یہ دونوں کتابیں ۱۸۰۲ء میں لکھی گئیں اور ۱۸۰۳ء میں چھپیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر گلکرسٹ کی اردو صرف و نحو کا خلاصہ گلکرسٹ اردو رسالہ کے نام سے کیا جو کلکتے میں ۱۸۱۶ء میں شائع ہوا۔

۵۔ مولوی شیخ حفیظ الدین احمد دہلوی۔ دہلی کے رزیڈنٹ کے منشی تھے بعد میں فورٹ ولیم کالج میں ملازم ہوئے۔ انھوں نے ابوالفضل کی مشہور کتاب عیار دانش کا ترجمہ اردو میں کیا جس کا نام خرد افروز ہے (سن تالیف ۱۸۰۳ء) یہ کلیلہ دمنہ کا قصہ ہے جو فارسی میں انوار سہیلی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی نظر ثانی اور اصل سے مقابلہ

---

[۱] بخشی کے طوطی نامہ کا خلاصہ محمد قاسم نے کیا تھا۔ اس کا یہ ترجمہ ہے۔

کپتان ٹامس روبک نے مولوی سید کاظم علی، منشی غلام اکبر، مرزا ئی بیگ اور غلام قادر کی مدد سے کیا۔ یہ سب صاحب کالج ہی کے ملازم تھے (طبع ۱۸۱۵ء)

۶ - میر شیر علی افسوس - یہ بھی فورٹ ولیم کالج کے مشہور اہل قلم میں سے ہیں۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ ان کی مشہور کتاب آرائشِ محفل ہے (تالیف ۱۸۰۵ء طبع ۱۸۰۸ء) یہ سجان رائے کی کتاب خلاصۃ التواریخ سے ماخوذ ہے۔ افسوس نے گلستانِ سعدی کا ترجمہ بھی اُردو میں کیا جس کا نام باغ اُردو ہے (کلکتہ ۱۸۰۲ء) میر صاحب نے نہال چند کی گل بکاولی (مذہبِ عشق) کی بھی نظر ثانی کی۔

۷ - نہال چند لاہوری - گل بکاولی کا فارسی سے ہندوستانی میں زیر نگرانی ڈاکٹر گلکرسٹ ترجمہ کیا (کلکتہ ۱۸۰۴ء) اس کا نام مذہبِ عشق ہے اور نثر میں ہے۔

۸ - میرزا کاظم علی جوان - دہلی کے رہنے والے تھے اور ۱۸۰۰ء میں کالج میں ملازم ہوئے۔ شکنتلا کا اُردو میں ترجمہ کیا جس کا نام شکنتلا ناٹک رکھا۔ یہ کتاب ۱۸۰۲ء میں چھپ کر شائع ہوئی۔ میرزا صاحب نے یہ ترجمہ ہندی کتاب سے کیا جو نواز کبیشر کی تالیف ہے۔ اُنھوں نے ایک بارہ ماسا بھی لکھا جس میں ہندو مسلمانوں کے تیوہاروں کا ذکر ہے۔ اس کا دوسرا نام دستورِ ہند بھی ہے ۱۸۱۲ء میں چھپا۔ جوان نے تاریخ فرشتہ سے خاندان بہمنی کا ترجمہ بھی ہندوستانی میں کیا (۱۸۰۹ء) نیز للو لال کی شرکت میں سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ ہندوستانی زبان میں کیا (۱۸۰۵ء)

۹ - مولوی اکرام علی - اُردو اخوان الصفا انھیں کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ عربی کے رسائل اخوان الصفا میں سے ایک رسالے کا ترجمہ ہے (تالیف ۱۸۱۰ء طبع کلکتہ ۱۸۱۱ء)

۱۰ - سری للو لال کوی - کالج کے بھاشا منشی تھے۔ ان کا خاندان گجراتی تھا۔ لیکن ایک مدت سے شمالی ہند میں آبسے تھے۔ فصیح ہندی نثر کی بنیاد اسی شخص نے ڈالی اور بہت صاف اور پاکیزہ نثر میں متعدد کتابیں لکھیں اور فی الحقیقت ہندی نثر کے حق میں مسیحائی کی۔ اگرچہ ان کا سارا کام ہندی نثر سے متعلق ہے لیکن یہاں ان کا ذکر اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندی سے جو بعض ترجمے اُردو میں ہوئے اس میں انھوں نے مدد دی۔ مثلاً شکنتلا ناٹک کے ترجمے میں مرزا کاظم علی جوان کو اُن سے مدد ملی۔ اسی طرح مظہر علی ولا اور سری

للولال نے مل کر بیتال پچیسی لکھی جس کی زبان اُردو ہندی کا خوبصورت میل ہے۔ نیز انھوں نے وِلا کو برج بھاشا سے مادھونل کے قصے کے ترجمے اور تالیف میں بہت مدد دی۔ نیز لطائف ہندی جس میں پُرلطف قصے کہانیاں لطیفے امثال، ضلع جگت وغیرہ درج ہیں، سری للولال نے مرتب کی۔ یہ کتاب ہندوستانی اور ہندی دونوں میں ہے۔ کتاب کے آخر میں ہندوستانی انگریزی الفاظ کی فرہنگ بھی ہے (۱۸۱۰ء)۔ یہ کتاب بعد میں کمپنی کے ملازم (سول سروس) مسٹر ولیم کارمیکائیل سمتھ نے بعد نظر ثانی و اصلاح شائع کی۔ جس میں میر تقی میر کی مثنوی شعلۂ عشق کا بھی اضافہ کردیا ہے۔

۱۱ - مظہر علی خاں ولا۔ ان کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ اُنھوں نے بیتال پچیسی (کلکتہ ۱۸۰۵ء) اور مادھونل کا ترجمہ ہندوستانی میں سری للولال کی مدد سے کیا۔ اُنھوں نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا۔ ولا نے مارکوئس ولزلی کے حکم سے تاریخ شیر شاہی کا اُردو میں ترجمہ کیا (۱۸۰۵ء) جو غالباً شائع نہیں ہوا۔

۱۲ - مولوی امانت اللہ۔ انھوں نے اخلاق جلالی کا ترجمہ اُردو میں کیا۔ ایک کتاب ہدایت الاسلام عربی اور ہندوستانی دونوں زبانوں میں لکھی جس میں مذہب اسلام کے ارکان و رسوم کا ذکر ہے (کلکتہ ۱۸۰۴ء) اس کا ترجمہ ڈاکٹر گلکرسٹ نے انگریزی زبان میں کیا۔ علاوہ اس کے ایک کتاب صرف اُردو منظوم لکھی (۱۸۱۰ء)

۱۳ - بینی نراین نے کپتان روبک کے سجھانے سے دیوانِ جہان کے نام سے ہندوستانی شعرا کا تذکرہ مع منتخب کلام کے مرتب کیا (۱۸۱۴ء) علاوہ اس کے چار گلشن کا بھی ترجمہ کیا (۱۸۱۱ء)

۱۴ - میرزا جان طپش۔ علاوہ مختلف کتابوں کی ترتیب و تالیف میں مدد دینے کے انھوں نے ایسے اُردو محاورات پر ایک کتاب لکھی جو فارسی محاورات سے ترجمہ کرکے ہندوستانی میں داخل کرلئے گئے ہیں۔ ساتھ ساتھ شواہد و نظائر بھی دیے ہیں

ان کا کلیات ان کی زندگی ہی میں کالج کی طرف سے شائع ہوا (۱۸۱۱ء) طپش نے بہار دانش کے کچھ حصے کا ترجمہ اُردو نظم میں بھی کیا جو شائع ہوچکا ہے۔

۱۵ - کپتان ٹامس روبک (Captain Tomas Roebuck) اسسٹنٹ سکرٹری و ممتحن فورٹ ولیم کالج، ممبر ایشیاٹک سوسائٹی و قائم مقام پروفیسر ہندوستانی۔ اُنھوں نے ڈاکٹر گلکرسٹ کے بعد

ہندوستانی زبان کے فروغ میں بہت کوشش کی۔ کالج کی فاضل منشیوں اور مولویوں سے بعض کتابیں لکھوائیں اور ہندوستانی لغت کی ترتیب میں ڈاکٹر گلکرسٹ کے شریک رہے۔ علاوہ اس کے اصطلاحات جہاز رانی کی ایک لغت مرتب کی جس میں علاوہ اصطلاحات کے جہاز کے مختلف حصوں کے نام، صرف و نحو اور جہازی قواعد (ڈرل) کے الفاظ بھی درج کئے۔ یہ کتاب انھوں نے ڈاکٹر گلکرسٹ کی فرمائش سے لکھی (۱۸۱۱ء) نیز ایک ہندوستانی انگریزی لغت بھی مرتب کی جس میں معروف اور مختلف ہندوستانی کتابوں کے الفاظ اور محاورے درج کئے اور وہ تمام الفاظ بھی شامل کئے جو ڈاکٹر گلکرسٹ، ڈاکٹر ہنٹر اور ہیرس کی لغتوں میں پائے جاتے ہیں (۱۸۱۱ء) علاوہ اس کے ایک کتاب ہندوستانی انٹرپریٹر یعنی ترجمان ہندوستانی کے نام سے لکھی، جس میں صرف و نحو کے ابتدائی اصول فرہنگ الفاظ، مکالمے اور جہاز رانی کی لغت ہے (لندن ۱۸۲۴ء)

۱۶- علاوہ ڈاکٹر گلکرسٹ، کپتان روبک اور ڈاکٹر ہنٹر کے کپتان ڈاکٹر جوزف ٹیلر (پروفیسر ہندوستانی) نے بھی ہندوستانی انگریزی لغت مرتب کی۔ ابتدا میں یہ انھوں نے نج کے استعمال کے لئے لکھی تھی مگر بعد میں کالج کے ہندوستانی علما کی مدد سے نظر ثانی کر کے کلکتہ میں ۱۸۰۸ء میں چھپوائی۔ اسی کتاب کو ولیم ہنٹر نے اور پھر کارمیکائیل سمتھ نے مرتب کیا (لندن ۱۸۲۰ء) ڈاکٹر ٹیلر نے بعض اور کتابوں کی تالیف و ترتیب میں مدد دی۔

علاوہ ان کتابوں کے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے بعض اور کتابیں بھی کالج کے پروفیسروں یا وہاں کے قابل منشیوں اور مولویوں کی مدد سے لکھی گئیں۔ مثلاً انجیل (عہدنامۂ جدید) کا ترجمہ مرزا فطرت نے کالج کے دوسرے ہندوستانی علما کی امداد سے کیا اور ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے اصل یونانی سے مقابلہ کر کے نظر ثانی کی (کلکتہ ۱۸۰۵ء) اسی انجیل کا ترجمہ ریورنڈ ہنری مارٹن نے کئی سال میں اصل یونانی سے کیا اور بعد میں مرزا فطرت اور دوسرے ہندوستانی علما کی مدد سے بہت احتیاط کے ساتھ نظر ثانی کی۔ ہنری مارٹن ہندوستان میں ۱۸۰۶ء میں آئے اور عہدنامۂ جدید کا ترجمہ شروع کیا۔ یہ ترجمہ مرزا محمد فطرت کی مدد سے ۱۸۱۰ء میں مکمل ہوا۔ بعد کے تمام ترجموں کی بنیاد اسی ترجمے پر ہے۔ لیکن ۱۸۱۲ء میں سری رام پور پریس میں آگ لگ گئی اور یہ ترجمہ شائع ہونے سے قبل تلف ہو گیا۔ بعد ازاں ۱۸۱۴ء میں شائع ہوا۔

قرآن پاک کا ترجمہ۔ ۱۲۱۸ھ میں بحکم جان گلکرسٹ مولوی امانت علی و میر بہادر علی اور بعد ازاں

مولوی فضل اللہ اور دوسرے مولویوں کی مدد سے اُردو میں کیا گیا مگر چھپنے کی نوبت نہ آئی۔

ہندوستانی بوستان یعنی بوستانِ سعدی کا ترجمہ بھی ہوا تھا اور طبع کے لئے دیدیا گیا تھا۔ مگر کوئی نسخہ اب تک نظر سے نہیں گزرا

علاوہ ان کے اُردو کا قدیم کلام بھی مرتب کرکے شائع کیا گیا۔ مثلاً کلیاتِ ولی مرتب کیا گیا اور چھپنے کے لئے دیدیا گیا۔ مگر اب تک کوئی نسخہ کلکتہ (فورٹ ولیم) کا چھپا ہوا دیکھنے میں نہیں آیا۔ مگر کلیات ولی کا نام اُن مطبوعات میں شریک ہی جو ۱۸۰۴ء میں زیر طبع تھیں۔

کلیاتِ میر کا نسخہ بہت اہتمام سے میرزا کاظم علی جوان، میرزا جان طپش، مولوی محمد اسلم اور منشی غلام قادر نے مرتب کیا اور ۱۸۱۱ء میں کلکتہ کے ہندوستانی پریس میں طبع ہوکر شائع ہوا۔

انتخاب سودا۔ سودا کے کلام کا انتخاب مولوی محمد اسلم اور منشی کاظم علی جوان نے کالج کی ہندوستانی جماعت کے لئے کیا اور ۱۸۱۰ء میں شائع ہوا۔

میر عبداللہ مسکین کا مرثیہ شہادت بھی کالج نے شائع کیا۔ دیوانِ میر سوز کالج کی ہندوستانی جماعت کے استعمال کے لئے ۱۸۱۰ء میں شائع کیا گیا۔

ایک کتاب ہندوستانی کھانوں پر خوانِ الوان کے نام سے بھی لکھی گئی تھی اس کے علاوہ ہفت گلشن، تاریخ امیر حمزہ، گلدستۂ حیدری، حکایات لقمان وغیرہ بھی شائع کی گئیں۔

میر معین الدین فیض دہلوی نے حسب فرمائش ڈاکٹر گلکرسٹ مارکوئس ولزلی کے لئے پندنامہ شیخ فریدالدین عطار کا ترجمہ اُردو نظم میں کیا (۱۸۰۴ء)

محمد خلیل اللہ خاں اشک نے ۱۸۰۹ء میں بعہد لارڈ منٹو کپتان ٹیلر پرنسپل مدرسہ اکبر نامہ کا ترجمہ اُردو میں واقعات اکبر کے نام سے کیا۔ شائع نہیں ہوا۔

ہم نے یہاں صرف انھیں مطبوعات اور کتب کا ذکر کیا ہی جن کا تعلق فورٹ ولیم کالج سے ہی۔ ورنہ اس زمانے میں کالج کے اثر سے بہت سے کتابیں لکھی گئیں جن میں سے بعض کی فہرست اس باب کے آخر میں دی جائیگی۔

کالج کی مطبوعات کا اُردو زبان پر اور اہل زبان کے ذوق پر بیحد اچھا اثر پڑا۔ خصوصاً لوگوں میں نثر نگاری کا بہت اچھا سلیقہ پیدا ہو گیا۔ ان میں کی بعض کتابیں اُردو زبان میں اپنا نظیر نہیں رکھتیں اُن کا کسی قدر تفصیل سے آئندہ باب میں ذکر ہوگا جس میں اُردو نثر کی ابتدا اور ترقی پر بحث کی جاویگی۔

تبصرے

ادب

زبانِ اُردو پر سرسری نظر

یہ اُن شبانہ لکچروں میں سے ہے جو آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کے گزشتہ اجلاس میں پڑھے گئے تھے۔ اس اجلاس کا یہ خاص امتیاز تھا کہ بہت سے قابل اور فاضل حضرات کو دعوت دی گئی تھی کہ وہ کانفرنس میں علمی اور تعلیمی مسائل پر تقریریں فرمائیں اور جناب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب قابلِ شکریہ ہیں کہ اُن کی بدولت کانفرنس کے اس اجلاس میں اچھی خاصی رونق ہوگئی اور علمی چرچا پیدا ہوگیا۔ جناب رشید احمد صاحب صدیقی اُردو لکچرار مسلم یونیورسٹی نے اُردو زبان پر ایک مضمون پڑھا تھا جو اب کسی قدر اضافہ کے ساتھ کتاب کی صورت میں شایع ہوا ہے۔

اس مقالے میں قابل لکچرار نے اُردو کی تاریخ سے زیادہ بحث نہیں کی اور نہ اس کی ضرورت تھی۔ بلکہ اُردو کی موجودہ روش اور آیندہ ترقی کی تدابیر پر بہت دلچسپ بحث فرمائی ہے جس میں مختلف مسائل آگئے ہیں جن میں اختلاف و بحث کی بہت گنجایش ہے۔ صدیقی صاحب نے اُردو کے جدید دور کو غالب سے شروع کیا ہے۔ اور اس نامور شاعر کو جو اپنا مثل اُردو ہی میں نہیں بلکہ بہت سی زبانوں میں نہیں رکھتا، چند ہی سطروں میں ختم کردیا ہے اور مرزا صاحب کی شاعری پر جو نقادانہ رائے انھوں نے ظاہر کی ہے وہ قابل سننے کے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ "غالب کی شاعری ایک حد تک صرف ہائے وہو اور ناؤ نوش کی ترجمان ہے۔"

یہ رائے ایک ایسے شخص کے قلم سے نکلی ہے جس نے اُردو ادب کا بغور مطالعہ کیا ہے، خود بھی ادیب ہے اور

یونیورسٹی میں اُردو کا لکچرار ہے۔ اور اس لیے نہایت حیرت انگیز ہے۔ ناپسندیدگی کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ مرزا کی شاعری میں "کوئی پیغام (Message) نہیں ملتا" کیا شیکسپیر کی شاعری میں جو سرتاج شعرائے عالم ہے کوئی پیغام ملتا ہے؟ ایک نہیں، کئی کئی۔ یہی حال مرزا کی شاعری کا ہے۔ کیا یہ کچھ کم ہے کہ مرزا غالب نے اُردو شاعری کو پستی سے نکال کر کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔ غزل میں عام روش اور تقلید سے آزاد ہو کر نیا رنگ پیدا کیا (لیکن شاید صدیقی صاحب غزل میں کسی اصلاح کے قائل نہیں) خیالات کی جدّت، تخیّل کی بلندی اور بیان کا لطف جو مرزا غالب کے ہاں پایا جاتا ہے وہ اُردو کے کسی شاعر میں نظر نہیں آتا۔ میں ایسے کئی صاحبوں کو جانتا ہوں جنھیں مرزا کے مختصر دیوان میں وہ پیغام ملے ہیں جو کسی دوسرے کے کلام میں کیا مذہب و اخلاق کی کتابوں میں بھی نہیں ملے اور اُن پر مرزا کے کلام کا خاص اثر ہوا ہے۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اگر مرزا غالب نہ ہوتے تو حالی اور اقبال بھی نہ ہوتے؟ مرزا غالب کا اثر اُردو شاعری پر عجیب و غریب ہوا ہے اور رہے گا۔ کیا بغیر کسی پیغام کے یہ ممکن ہے؟ صدیقی صاحب اس بات سے بھی ناراض ہیں کہ مرزا صاحب کا قدیم کلام کیوں چھاپا گیا (شاید وہ اسے مہمل سمجھتے ہیں)۔ فرماتے ہیں کہ "میرا خیال ہے کہ اُردو نوازی کے اس سے بہتر طریقے بھی ممکنات سے تھے"۔ یہ خیال اُردو کے ایک پروفیسر کا ہو، حیرت سے خالی نہیں! غالباً اُنھوں نے اس کلام کا مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ جن ظالموں کے ہاتھ میں مرزا کے کلام کا انتخاب تھا، اُنھوں نے بیدردی سے ایسے ایسے اشعار مجروح کر دیے جن کی نظیر سوائے مرزا کے کلام کے کہیں نہیں ملتی۔ علاوہ اس کے اس کلام سے اس زبردست اور بلند خیال شاعر کی طبیعت اور اس کے کلام کے ارتقا کی صحیح حالت کا اندازہ ہوتا ہے جس کا جاننا ایک پروفیسر اور محقق کے لیے نہایت ضروری ہے۔ ممکن ہے کہ صدیقی صاحب اِن امور کو "واقعات کی کھتونی" سمجھیں۔ لیکن اس کے جانے بغیر محقق ہونا ممکن نہیں۔

صدیقی صاحب کے اس طعن آمیز اعتراض (اُردو نوازی) کو دیکھ کر جس کی تلخی پیں سے کم نہیں مجھے معاً ایک دوست کا خیال آیا جنھوں نے ایک بار بڑی متانت سے یہ فرمایا کہ آپ جو شعرا کے تذکرے اور شعرا کا کلام چھاپتے ہیں اس سے کیا حاصل ہے۔ کہیں بہتر ہو تا کہ انجمن صابون سازی اور دباغت پر کتابیں لکھوا کر چھاپتی۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے لاجواب ہونا پڑا۔ اور یہی کیفیت میں آج پھر محسوس کرتا ہوں۔

اس کے بعد قابل لکچرار نے حالی کا ذکر فرمایا ہے اور شکوۂ ہند کے چند شعر لکھ کر یہ رائے دی ہے کہ "چونکہ

اُن کی ہر تان ماضی پر ٹوٹتی ہے اس لیے حالی کو بجا طور پر ماضی کا شاعر کہنا چاہیے"۔ لیکن اسی جملے کے پہلے حصہ میں فرماتے ہیں کہ حالی نے اپنے زمانے کی صحیح تصویری کی ہے اور اِن معنوں میں ان کا شمار حقیقی شعراء میں ہو سکتا ہے"۔ بظاہر ان دونوں جملوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے لیکن جو مطلب ہے وہ ظاہر ہے۔ اپنے زمانے کی صحیح تصویر کھینچنے والا "ماضی" کیسے ہو سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ حال کو ماضی سے جدا نہیں کر سکتے اور ہر حال ماضی ہو جاتا ہے۔ لیکن مولانا حالی مرحوم نے اپنے وقت کے حال پر اس کثرت سے لکھا ہے کہ وہ ان کو بجا طور پر حالی ہی کہنا موزوں ہوگا۔ پھر انسانی فطرت کے متعلق جو جو نکتے وہ لکھ گئے ہیں ان کا جواب اب تک ہماری شاعری میں نہیں ہے۔ البتہ شوخی اور تمسخر ان کے کلام میں نہیں اور نہ وہ وقت اِن خوش فعلیوں کا تھا۔ کسی مصنف یا شاعر پر اس وقت تک صحیح رائے قائم نہیں ہو سکتی جب تک انسان اس کے پورے کلام کا مطالعہ نہ کرلے۔ ورنہ ایسی رائیں ادھوری اور ناقص ہونگی۔

حالی کے بعد اکبر کا ذکر آتا ہے اور بہت سے شعر نقل کرکے جن میں سے اکثر زبان زد عام ہیں اُن کی شوخی ظرافت اور حکیمانہ نکات کی تشریح کی ہے۔ ان اشعار کو صدیقی صاحب "لسان العصر کے لمعات" فرماتے ہیں۔

یہاں تک ماضی و حال کی ترجمانی تھی اب مستقبل شاعر کا ذکر ہوتا ہے جس سے ان کا مطلب اقبال سے ہے۔ یہ بیان بہت طویل اور پُر زور ہے۔ اور قابل لکچرار نے اپنی طبیعت کا سارا زور اس پر صرف کر دیا ہے۔ اقبال کی شاعری سے انکار کرنا کفر ہے اور نہ ہمیں اس سے چنداں اختلاف ہے جو صدیقی صاحب نے اس حقیقت شناس شاعر کی مداحی میں بیان کیا ہے۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اقبال کا جس قدر کلام انھوں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کیا ہے وہ سب کا سب فارسی ہے۔ اُردو کا ایک شعر بھی کہیں نقل نہیں کیا۔ حالانکہ بحث سراسر اُردو سے ہے۔

صدیقی صاحب مُردوں سے بہت بیباک ہیں لیکن زندوں سے ڈرتے ہیں۔ اُنھوں نے ہر زندہ انشاپرداز کی جو ذرا بھی شہرت رکھتا ہے یا مقبول ہے خوب تعریف کی ہے اور اگر کہیں کسی کے متعلق ہلکا سا دبی زبان سے کوئی جملہ کہہ بھی دیا ہے تو جھٹ اس کی پیٹھ بھی تھپک دی ہے تاکہ وہ چیں بجبیں نہونے پائے۔ میں اس کی داد دیتا ہوں کہ کوئی نام ایسا نہیں چھوٹنے پایا جس سے ذرا بھی اندیشہ ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد اُردو زبان اور اس کی ترقی کے متعلق مختلف مسائل پر بحث کی ہے۔ مثلاً تاریخی پہلو۔ رسم الخط فارسی عربی کا تعلق، اُردو کے معلّم کی صفات، عامیانہ روش (جسے قابل لکچرار نے "جہانیلزم" سے موسوم کیا ہے)

انجمن اُردوئے معلّیٰ پر کانفرنس معلّمین اُردو، اکاڈمی، انسائیکلو پیڈیا، اُردو مکاتب، اُردو گفتگو، ترجمہ، تالیف اور تصنیف، افسانہ نویسی۔ یہ بحثیں اگرچہ مختصر ہیں مگر بہت دلچسپ اور کام کی ہیں۔ انھیں پڑھکر جی للچاتا ہے کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے، لیکن اس تبصرے میں اتنی گنجائش نہیں۔ صدیقی صاحب نے بعض ایسی باتیں سمجھائی ہیں جو غور اور بحث کے قابل ہیں اور ان میں سے ہر عنوان پر علیحدہ لکھنے کی ضرورت ہے۔ اس لکچر کا ایک بڑا عملی فائدہ یہ ہوا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انجمن اُردوئے معلّیٰ قائم ہوگئی۔ یہ بڑی مبارک فال ہے اور ہمیں امید ہے کہ صدیقی صاحب کی پرجوش نگرانی میں یہ پھولے پھلیگی۔ ارباب یونیورسٹی کو اس پر خوش ہونا چاہیے اور اس کی امداد میں دریغ نکرنا چاہیے۔ یہ بھی تجویز ہے کہ اس انجمن کی سرپرستی میں ایک رسالہ اُردوئے معلّیٰ کے نام سے جاری کیا جائے گا۔

صدیقی صاحب قابل شکریہ ہیں کہ انھوں نے اس لکچر کو شایع کرکے اُردو کے بہی خواہوں کو بعض ضروری امور کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ان کے طرزِ بیان میں ایک بانکپن پایا جاتا ہے جس میں شوخی کی جھلک ضرور ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات لفاظی کے الجھاؤ سے الجھن پیدا ہونے لگتی ہے۔ صدیقی صاحب اُردو کے اُن انشا پردازوں میں سے ہیں جن سے بڑی بڑی امیدیں ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ طبیعت کی افتاد انھیں کدھر لے جاتی ہے۔ جس میں سنورنے کی صلاحیت ہوتی ہے اسی میں بگڑنے کے لچھن بھی ہوتے ہیں۔

یہ لکچر بڑی تقطیع کے ۵۲ صفحہ پر ہے۔ مسلم یونیورسٹی انسٹیٹیوٹ پریس علی گڑھ میں بہت خوشخط اور اچھا چھپا ہے۔ معلوم نہیں کس سے اور کتنے میں ملتا ہے۔ شائقین منیجر صاحب مطبع مذکور سے رجوع کریں۔

خطوط سر سید

عام طور پر اور خاصکر نامور لوگوں کے خانگی خطوط کی قدر اس لیے بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو بے تکلفی میں ایسی رایوں اور خیالات کا اظہار کر جاتے ہیں جن کا علانیہ کہنا یا لکھنا مصلحت کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ لیکن سر سید کے خط اس خوبی (یا عیب) سے پاک ہیں۔ اُن کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ جو اُن کے دل میں تھا وہی اُن کی زبان اور قلم پر تھا۔ مصلحت یا پالیسی اُن کے ہاں کوئی چیز نہ تھی۔ جب ہم اُن کے خطوط کو جو اُن کے رشید پوتے سید راس مسعود صاحب المخاطب بہ نواب مسعود جنگ بہادر نے جمع کرکے چھاپے ہیں، پڑھتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سامنے بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور سوائے بعض خطوط

کے تقریباً ہر خط میں اُن کے تیور صاف نظر آتے ہیں۔ وہ محبت کی باتیں بھی کرتے ہیں۔ بے تکلف دوستوں سے ظرافت اور شوخی سے بھی نہیں چوکتے؛ مصیبت میں ہمدردی کرتے اور خوشی سے خوش ہوتے؛ معاملات میں رائے بھی دیتے ہیں سوالات اور استفسارات کا جواب ادا کرتے ہیں۔ لیکن قوم کا دُکھڑا ہر جگہ روتے ہیں یہ خیال کسی دم اُن کے دل سے جُدا نہیں ہوتا۔ اس کی حالت تپ کہنہ کی سی ہوگئی ہے جو ہڈیوں تک میں رچ گئی ہو یا ایک آگ ہی جو اندر ہی اندر سُلگ رہی ہے۔ اُن کے ایک ایک لفظ سے صداقت اور خلوص ٹپکتا ہے اور باوجود بعض لغزشوں کے اسی میں اُن کی جیت تھی۔ اس مجموعہ کے پڑھنے سے اُن کی طبیعت اور سیرت اور اخلاق کا آنکھوں کے سامنے ایک نقشہ کھچ جاتا ہے اور دل پر اثر ہوتا ہے۔

اُن کی پُرخلوص اور دلی محبت کا اندازہ کرنا ہو تو نواب محسن الملک اور مولوی زین العابدین خاں مرحوم کے خط پڑھیے۔ اُن کا استقلال اور ضد اور اسی کے ساتھ صاف باطنی دیکھنی ہو تو نواب وقار الملک کے نام کے خط ملاحظہ کیجیے۔ اُن کی خو، قومی ثبات اور غیر تمندی دیکھنی ہو تو وہ خط مطالعہ فرمائیے جو لندن سے بیٹھ کر لکھے ہیں۔ اُن کی قدردانی کا حال جاننا ہو تو نواب عماد الملک بہادر کے نام کے خط دیکھیے۔ چھوٹوں پر شفقت دیکھنی ہو تو عنایت اللہ صاحب کے نام کے خط پڑھیے۔

جس طرح اُن کی طبیعت میں تصنّع اور تکلف کو دخل نہ تھا اسی طرح اُن کی عبارت بھی تُہز نما عیب سے خالی نہیں وہ بلا تکلف لکھتے چلے جاتے ہیں اور لکھتے وقت جو خیال جس طرح ادا ہو گیا اُسی طرح ادا کر دیتے ہیں لیکن اس بے تکلفی اور بے ساختہ پن میں بعض وقت عجیب عجیب فقرے اُن کے قلم سے نکل جاتے ہیں۔ سید صاحب کو بُرا کہنا اُس زمانہ میں فیشن سا ہو گیا تھا جس میں اچھے اچھے لوگ مبتلا تھے۔ مولوی سراج الدین احمد صاحب نے اپنے اخبار سرمور گزٹ ناہن میں کسی ایسی ہی تحریر کا جواب لکھا تو اُسے دیکھ کر سرسید نے انھیں تحریر فرمایا کہ اس قسم کے جواب لکھنے کی ضرورت نہیں اگر ہمارے بُرا کہنے سے اُن کا دل خوش ہوتا ہے، خوش کر لینے دو، تم بھی اسے بُرا کہنے سے خوش ہو کیونکہ وہ ہمارے دھوبی ہیں، ہم کو گناہوں سے پاک کرتے ہیں۔"

مولانا حالی مرحوم کا مسدس جس وقت اُن کے پاس پہنچا ہے تو جو خط اُنھوں نے اس وقت اس بے نظیر کتاب کے پڑھنے کے بعد لکھا ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ اس سے اُن کے دل کی کیفیت اور جوش کا حال معلوم

ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ "جس وقت کتاب ہاتھ میں آئی جب تک ختم نہ ہو لی ہاتھ سے نہ چھوٹی اور جب ختم ہوئی تو افسوس ہوا کہ کیوں ختم ہوگئی۔ اگر اس مسدس کی بدولت فن شاعری کی تاریخ جدید قرار دی جاوے، تو بالکل بجا ہے کس صفائی اور خوبی اور روانی سے یہ نظم تحریر ہوئی ہے، بیان سے باہر ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ ایک ایسا واقعی مضمون جو مبالغہ، جھوٹ، تشبیہات دور از کار سے جو مایۂ ناز شعرا و شاعری ہے، بالکل مبرا ہے کیونکہ ایسی خوبی و خوش بیانی اور موثر طریقہ پیرا ہوا ہے۔ متعدد بند اس میں ایسے ہیں جو بے چشم نم پڑھے نہیں جا سکتے۔ حق ہے جو دل سے نکلتی ہے دل میں بیٹھتی ہے۔ نثر بھی نہایت عمدہ اور نئے ڈھنگ کی ہے۔ پرانی شاعری کا خاکہ نہایت لطف سے اڑایا ہے یا ادا کیا ہے۔ میری نسبت جو اشارہ اس نثر میں ہے اس کا شکر کرتا ہوں اور آپ کی محبت کا اثر سمجھتا ہوں۔ اگر پرانی شاعری کی کچھ بو باس اس میں پائی جاتی ہے تو صرف انہی الفاظ میں ہے، جن میں میری طرف اشارہ ہے۔ بیشک میں اس کا محرک ہوا اور اس کو اپنے ان اعمال حسنہ میں سے سمجھتا ہوں کہ جب خدا پوچھے گا کہ تو کیا لایا میں کہونگا کہ حالی سے مسدس لکھوا لایا ہوں اور کچھ نہیں۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو اس سے فائدہ بخشے۔ مسجدوں کے اماموں کو چاہیے کہ نمازوں اور خطبوں میں اس کے بند پڑھا کریں۔ . . . آپ کے اس خیال کا کہ حق تصنیف مدرسۃ العلوم کو دیا جائے اور رجسٹری کرا دی جائے میں دل سے شکر کرتا ہوں، مگر میں نہیں چاہتا کہ اس مسدس کو جو قوم کے حال کا آئینہ یا ان کے ماتم کا مرثیہ ہے کسی قید سے مقید کیا جائے جس قدر چھپے اور جس قدر وہ مشہور ہو اور لڑکے ڈنڈوں پر گاتے پھریں اور رنڈیاں مجلسوں میں طبلہ سارنگی پر گاویں، قوال درگاہوں میں گاویں، حال لانے والے اس سچے حال پر حال لاویں اسی قدر مجھ کو زیادہ خوشی ہوگی۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ دہلی میں ایک مجلس کروں جس میں تمام اشراف ہوں اور رنڈیاں نچواؤں مگر وہ رنڈیاں مسدس گاتی ہوں۔"

نواب عماد الملک بہادر کو وہ ایک خط میں لکھتے ہیں کہ مجھکو کمال خوشی اور عزت اس میں ہے کہ آپ سا شخص جس کو میں دل اور جان سے بہ اعتبار طینت کے ایک فرشتہ صفت خیال کرتا ہوں اور باعتبار علم و فضل اور خاندان کے اپنی قوم کا سردار جانتا ہوں اور صرف سردار ہی نہیں بلکہ میں صدق دل سے باعثِ افتخارِ قوم سمجھتا ہوں۔ اگر آپ میرا دل چیر کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ کس قدر مجھکو اس بات سے خوشی اور عزت ہے"

مولوی مہدی علی (نواب محسن الملک) سے تو انہیں عشق تھا اور ان کے نام جس قدر خط ہیں ان سے ان کی

محبت کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ کتاب کے شروع میں ایک دیباچہ ۲۰ صفحہ کا مولوی عبداللہ جان صاحب وکیل سہارنپور نے لکھا ہے جو سرسید مرحوم کے جاننے والوں اور ملنے والوں میں سے تھے۔ اس دیباچہ میں اُنھوں نے سرسید کے زمانے کی حالت، اُن کی مساعی اور تالیف و تصنیف کا حال نہایت خوبی سے بیان کیا ہے۔

اس مجموعے میں کل خطوط ۲۴۳ ہیں جو بڑی تقطیع کے ۲۴۳ صفحوں پر چھپے ہیں۔ کتاب نظامی پریس میں چھپی ہے اور اچھی چھپی ہے۔ باوجود صحت کے اہتمام کے کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں۔ یہاں تک کہ سرِ ورق پر خود جناب مرتب کا خطاب غلط چھپ گیا ہے یعنی بجائے مسعود جنگ کے مسعود یار جنگ لکھ دیا گیا ہے۔ قیمت درج نہیں۔ نظامی پریس بدایوں سے مل سکتی ہے۔

انتخاب میر

اس میں مطلق شبہ نہیں کہ غزل میں میر کا مقابلہ اردو کا کوئی شاعر نہیں کر سکتا۔ ان کا کلام ایسا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا اور اردو زبان جب تک قائم ہے لوگ اُسے شوق سے پڑھتے رہیں گے لیکن وہ اس قدر ضخیم ہے کہ اس کے انتخاب کی ضرورت ہے۔ یہ جدید انتخاب جناب نورالرحمن صاحب بی اے نے کیا ہے۔ اگرچہ مختصر ہے لیکن اس میں تقریباً تمام چوٹی کے اشعار آ گئے ہیں۔ شروع میں اُنھوں نے ایک دیباچہ لکھا ہے جس میں میر صاحب کے حالات اور اُن کے کلام کے محاسن درج ہیں۔ یہ دیباچہ پڑھنے کے قابل ہے اور مصنف نے اس میں اپنے ادبی ذوق کا ثبوت دیا ہے۔

کتاب چھوٹی تقطیع کے ۱۱۱ صفحہ پر ہے۔ جامعہ ملیہ علی گڑھ سے ایک روپیہ میں مل سکتی ہے۔

متفرق

جاپان اور اُس کا تعلیمی نظم و نسق

جب سے انجمن ترقی اُردو کا کام میرے تفویض ہوا میں ہمیشہ اسی فکر میں رہا کہ جاپان پر اُردو میں کوئی ایسی کتاب لکھی جاوے جو ہمارے اہل وطن کے لیے مفید ہو۔ عرصہ ہوا ایک صاحب نے مجھے اطلاع دی کہ وہ ایک کتاب جاپان پر لکھ رہے ہیں اور ہندی اور اُردو دونوں زبانوں میں شائع کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اُن سے خط و کتابت کی لیکن اس کے بعد وہ ایسے خاموش ہوئے کہ نہ معلوم اُس کتاب کا کیا حشر ہوا۔ اس کے بعد میں نے ایک مہربان کو جنھوں نے جاپان میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ جاپان پر ایک مستقل کتاب لکھیں اور اس کے لیے میں نے بہت سا سامان مہیا کیا اور مستند کتابیں فراہم کیں، لیکن ایک سال بعد انھوں نے بھی جواب دیدیا اور یہ منصوبہ یونہی رہ گیا۔ اگرچہ انگریزی میں جاپان پر بیسیوں کتابیں لکھی گئیں اور اب تک اس کا سلسلہ جاری ہے اور بعض ان میں سے بہت عمدہ اور مستند ہیں اور ایسے اصحاب کی لکھی ہوئی ہیں جنھوں نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اس عجیب و غریب مُلک میں صرف کیا ہے۔ لیکن ان میں سے ہر ایک نے اپنے نقطۂ نظر سے لکھا ہے اور مجھے ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جو ہندی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہو۔

خوش قسمتی سے اس زمانے میں سرکار نظام نے نواب مسعود جنگ بہادر ناظم تعلیمات حیدرآباد دکن کو جاپان کی تعلیمی حالات کی تحقیق کے لیے بھیجا۔ اگرچہ نواب صاحب موصوف جاپان میں صرف چار مہینے رہے اور یہ قلیل مدت کسی مُلک کے حالات کی تحقیق کے لیے کافی نہیں ہوسکتی، مگر نواب صاحب موصوف کو ایک زمانے سے جاپان اور اس کی

قوم سے خاص دلچسپی تھی اور انگریزی اور فرانسیسی میں شاید ہی کوئی ایسی کتاب ہو جو اُن کی نظر سے نہ گزری ہو۔ اس لیے جب اُنھوں نے سفرِ جاپان کا عزم کیا تو وہ اس ملک سے اجنبی نہ تھے بلکہ جاپانیوں کی تاریخ، اُن کی معاشرت، اُن کی عادات و خصائل اور خصوصیات اُن کی تعلیم اور صناعی پر پورا عبور تھا۔ صرف آنکھ سے دیکھنے کی کسر تھی یہ علم جو اُنھوں نے مطالعہ کے ذریعہ سے حاصل کیا تھا، اُس کی صحت اُنھوں نے مشاہدہ سے کی اور اب وہ جاپان کے حالات پر ایک ماہر کا درجہ رکھتے ہیں۔

یہ کتاب فاضل مؤلف نے انگریزی زبان میں لکھی ہے جس کی حسنِ تحریر اور فصاحت کی داد خود مشہور اہلِ زبان نے دی ہے۔ مجھے جب یہ معلوم ہوا کہ سرکارِ نظام اس کا ترجمہ اُردو میں کرا رہے ہیں تو میں نے یہ درخواست کی کہ اردو ترجمے کے شائع کرنے کی اجازت انجمن ترقی اردو کو دی جائے۔ اعلیٰ حضرت واقدس مدظلہ العالی نے ازرہِ علم پروری میری درخواست کو بہ طیبِ خاطر منظور فرمایا۔ چنانچہ یہ کتاب اب انجمن کی طرف سے طبع ہو کر شائع ہوئی ہے۔

اگرچہ اس کتاب کا اصل مقصد جاپان کے تعلیمی نظام کی تحقیق ہے اور کتاب کا معتدبہ حصہ اسی بحث پر ہے۔ جو اُن لوگوں کے لیے جو تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں خاص دلچسپی کا باعث ہوگا۔ لیکن شروع کے چند باب جو اہلِ جاپان کے خصائل، اُن کے مذہب، پرتگیزوں کی آمد، داعیانِ مذہب عیسوی کی کارستانیوں، مغربی علوم کی تحصیل، شوگنی حکومت کے زوال، ملک کے اتحاد دستورِ جاپان ملکی انتظام اور جاپانی زبان پر لکھے گئے ہیں وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ فاضل مؤلف نے یہ ابواب اس صفائی اور خوبی اور دلآویز طریقے سے لکھے ہیں کہ فسانے کا مزہ آجاتا ہے۔ ہر صفحہ دوسرے صفحے کے لیے آمادہ کرتا ہے اور ہر باب دوسرے باب کا شوق دلاتا ہے۔
اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کی قوتِ مشاہدہ اُن کے بہت کام آئی ہے اور اُن میں غیروں کی خوبیوں کے دریافت کرنے اور قدر کرنے کا خداداد ملکہ ہے۔ کتاب کے پڑھنے سے جاپانیوں سے بجائے نفرت کے الفت اور بجائے وحشت کے اُنس ہونے لگتا ہے۔ اور ان کی غیرتمندی، خودداری، بہادری اور حبِ وطن کی عزت دلوں میں پیدا ہوتی ہے۔ اگرچہ اِن مباحث کے لیے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے کئی دفتر چاہئیں، لیکن فاضل مؤلف نے یہ کمال کیا ہے کہ اس انبار میں سے صرف اُنھیں جواہر ریزوں کو چُن لیا ہے جو اصل مضمون کی جان اور ہم ہندیوں کے لیے سبق آموز ہیں۔ گویا شہد کی مکھی کی طرح ہر پھول پر پہنچے، اس کا مد

چوسا اور ملک کے لیے خالص شہد تیار کیا ہے۔

اس کتاب کو پڑھ کر دو چیزوں کا خاص طور پر اثر ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر ہندی پر اس کا اثر ہوگا اور عبرت بھی ہوگی۔ ایک تو اتحاد جاپان کا باب ہے اور دوسرا مغربی علوم کی تحصیل کا تذکرہ موجودہ نظام سے پہلے جاپان چھوٹی بڑی جاگیروں اور ریاستوں میں تقسیم تھا اور اکثر جاگیردار اور رئیس بڑے صاحب جاہ وحشم، صاحب اختیار اور طاقتور تھے۔ ”ہر ایک ڈیمیو (جاگیردار) ایک چھوٹے سے بادشاہ کے مثل ہوگیا تھا جو اپنے قلعے میں مع اپنے اہالی و موالی کے عیش سے زندگی بسر کرتا تھا اور ہر ایک جاگیر و علاقہ کے قوانین ورسم و رواج جداگانہ تھے۔ تمام زمین مع شہروں کے جس قدر کہ وہ جاپان میں تھے یا تو شوگن کی ملکیت سے تھے یا ڈیمیو کی.....“

”جس وقت کسی ڈیمیو کے جلوس کا ہراول نظر آتا تھا تو سب عام لوگ فوراً زمین پر گھٹنے ٹیک دیتے تھے اور جب تک سواری گزر نہ لیتی تھی ٹوپی اتارے سر جھکائے اسی حالت میں قائم رہتے تھے۔ اس قاعدے کی تعمیل میں اگر کسی شخص سے ذرا بھی کوتاہی ہوتی تھی تو جلوس میں جو وفادار سمورائی ساتھ ہوتے تھے ایسے شخص کو فوراً قتل کر دیتے تھے اور سب لوگ خود معترف ہو جاتے تھے کہ یہ سزائے موت بالکل قرین انصاف تھی“۔

اس حالت سے ان جاگیرداروں کی قوت و اقتدار اور حکومت اور خودسری کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اسی قوت کو ایک دم توڑ دینا کچھ آسان کام نہ تھا۔ یہ امر ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جاپان کے شہنشاہ چھ صدی سے برائے نام شہنشاہ تھے اور حکومت دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ یہ شوگنی حکومت کہلاتی تھی۔ شوگن کے معنی صدر اعظم یا سپہ سالار ہیں۔ جب غیر ممالک کی حکومتیں جاپان کی طرف متوجہ ہوئیں اور تجارت کے لیے جاپان میں داخلہ پر اصرار کرنے لگیں تو نوبت جنگ و جدل کی آئی اور آخر میں مجبور ہو کر شوگنی حکومت نے غیر ممالک سے معاہدے کر لیے۔ لیکن اس سے اہل ملک میں برہمی پھیل گئی اور رنج و غصے کی کوئی انتہا نہ رہی اور اہل جاپان شوگنی حکومت کے سخت مخالف ہو گئے۔ جب شوگنی حکومت کو زوال ہوا اور شہنشاہی بحال ہوئی تو جو لوگ اس وقت صاحب اختیار ہوئے انھیں بھی وہی کرنا پڑا جو شوگنوں نے کیا تھا۔ ان میں سب سے نمایاں وہ لوگ تھے جنھیں شوگنی حکومت نے تعلیم کی غرض سے یورپ کے ممالک میں بھیجا تھا یورپ میں رہ کر ان کی آنکھیں کھلیں اور اپنے ملک کی کمزوریاں معلوم ہوئیں۔ اس لیے اب انھوں نے ملک کے انتظام میں رد و بدل شروع کیا

اور ہر شعبہ میں اصلاح کی کوشش شروع کی۔ لیکن سب سے بڑی اصلاح ملک کو متحد بنانے کی تھی جس کے یہ معنی تھے کہ تمام جاگیردار اپنے اقتدار سے دست بردار ہو کر اپنے علاقے شہنشاہ کے حوالہ کر دیں۔ جب ہم اُن کی آبائی روایات، جنگجوئی اور شجاعت، حکومت اور طنطنے، شان و شوکت اور جاہ و حشم کو دیکھتے ہیں تو ہم ہندیوں کے قیاس میں یہ بات نہیں آتی کہ انہوں نے اس ایثار کو جس میں اُن کی ننگ و ناموس اور عزت و آبرو تک معرضِ خطر میں تھی، کیونکر گوارا کیا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے برضا و رغبت اپنے ملک کی بہبودی کے لیے یہ سب کچھ تج دیا۔ اسی میں جاپان کی ترقی اور جیت اور ہماری نکبت اور ہار ہے۔

دوسرا باب جس کی طرف میں نے توجہ دلائی ہے وہ مغربی علوم کی تحصیل کے متعلق ہے۔ اہلِ یورپ کی آمد و رفت جاپان میں اُسی وقت شروع ہوئی جب کہ وہ ہندوستان میں پہنچے ہیں۔ ہم نے بھی غیر زبان انگریزی تقریباً اُسی وقت سیکھنی شروع کی جبکہ جاپانیوں نے ولندیزی۔ اُن کے ہاں غیر زبان کے تحریری علم کی تحصیل کی سزا موت تھی۔ اور انھیں اس کے لیے حکومت سے اجازت حاصل کرنی پڑی۔ ہمارے یہاں یہ سختی نہ تھی۔ البتہ غیر زبانوں اور غیر چیزوں سے وحشت اور نفرت ضرور تھی۔ وہ اس زمانے میں ہماری نسبت زیادہ جاہل تھے لیکن اب ہماری اور اُن کی حالت مقابلہ سے بے نیاز ہے۔ کیونکہ ہم نے غیر زبان سیکھی یا ہمیں سکھائی گئی کہ محرری اور ادنےٰ خدمات کے لیے اور اُنھوں نے سیکھی علم حاصل کرنے کے لیے۔ اس بارے میں اُن کی اُن تھک محنت اور جفاکشی قابلِ تحسین ہے۔ اس کتاب میں سوگیٹا کا حال لکھا ہے کہ اس نے اور اس کے دوستوں نے علم تشریح کی ایک کتاب کے مطالب سمجھنے میں کیسی جانکاہی اور محنت شاقہ سے کام لیا۔ وہ خود بیان کرتا ہے کہ "جب ہم نے اس آسان فقرے کو پڑھنا چاہا کہ 'ابرو آنکھ کے اوپر ایک بالوں کی کمان ہے' تو موسمِ بہار کے ایک پورے لمبے دن کی محنت بھی کافی نہیں ہوئی کہ ہم اس فقرے کا ایک لفظ بھی سمجھ لیتے۔" ایک سال کی محنت شاقہ کے بعد اس قابل ہوئے کہ دن بھر میں دس سطروں کا ترجمہ کر سکتے تھے۔ اس سے اُن کے شوق اور جفاکشی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پھر ۱۸۱۱ء میں ترجمہ کا ایک سررشتہ قائم ہوا۔ اس کے بعد سے کتابوں کے ترجمے ہونے شروع ہوئے۔ اس سررشتہ کے علاوہ اور لوگ بھی اس قسم کے کام میں مصروف تھے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اُس وقت جاپانی زبان کی حالت ایسی پست تھی کہ خود اہلِ جاپان

اسے اِس قابل نہ سمجھتے تھے کہ اس میں کوئی علمی کتاب لکھی جا سکتی ہے یا اس میں کوئی شخص تقریر کر سکتا ہے۔
فوکوزاوا اُن ابتدائی لوگوں میں تھا جس نے اپنے ملک کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اس نے ایک مدرسہ قائم کیا جو ۱۹۰۸ء میں یونیورسٹی کے درجے تک پہنچا۔" دوسرا بڑا کام فوکوزاوا نے یہ کیا کہ عوام کے سامنے تقریر کرنے کا فن جاپان میں جاری کیا، باوجودیکہ بعض ہم عصر علما کی رائے میں جاپانی زبان اس کام کے لائق نہ تھی۔ فوکوزاوا نے تنہا یہ دشوار و پیچیدہ کام اپنے ذمہ لیا کہ انگریزی اصطلاحات کی ہم معنی جاپانی اصطلاحات وضع کیں اور اس کام کو اُس نے اس قدر خوبی سے انجام دیا کہ لوگوں کے دلوں سے یہ خوف کہ جاپانی زبان زیادہ جدید خیالات اور علوم کی ترویج کا ذریعہ بننے کے قابل نہیں ہے، بہت جلد رفع ہو گیا۔" یہ کوششیں اُس کی ۱۸۶۶ء سے ۱۹۰۱ء تک جاری رہیں۔ مگر ہماری زبان کے متعلق اب بھی یہ شبہ باقی ہے اور یہ مضمون اب تک زیر بحث ہے۔ لیکن ایک بات ایسی ہے جس میں ہمیں اس محب وطن اور حامی علم کی تقلید لازم ہے۔ وہ یہ ہے کہ "فوکوزاوا نے اپنی کتابوں میں جن کی تعداد پچاس تھی آسان سے آسان الفاظ استعمال کئے تھے۔ اس نے کوشش کی کہ ان الفاظ کو اس قدر صاف طور پر لکھے کہ "نہ صرف ایک غیر تعلیم یافتہ سوداگر یا کاشتکار اُن کے معنی سمجھ لے بلکہ ایک خادمہ بھی جو گاؤں سے ابھی آئی ہو، اگر اتفاق سے کوئی عبارت کسی کو پردے کے پیچھے سے پڑھتے سنے تو عبارت کا ایک عام مفہوم بخوبی اس کے ذہن میں آجائے"۔ اس مضمون پر فاضل مؤلف نے اپنے آخری باب میں جس کا عنوان نتیجہ ہے بہت مفصل بحث کی ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔ اسی ضمن میں ایک بات اور یاد رکھنے کے قابل ہے جو قابل مؤلف نے لکھی ہے کہ "جاپانی گو بحیثیت قومی غیروں کے زبان سے ناواقف ہیں مگر یورپ کی دماغی اور علمی تحریکوں سے وہ ایسے ہی مانوس ہیں جیسے کہ مثلاً فرانسیسی جرمانیوں کی دماغی اور علمی تحریکوں سے آشنا ہوں۔ ہم لوگوں کو ہند میں یہ بات نصیب نہیں،" حالانکہ ہم اُن کی نسبت غیر زبان کو اُن سے بہتر جانتے ہیں۔ اسی کے ساتھ وہ کہتے ہیں کہ "یورپ کی ادبیات سے جاپانیوں کو ایسی گہری واقفیت ہو گئی ہے کہ ٹوکیو میں جس وقت میں ایک مشہور کتب فروش کی دکان پر پہنچا تو یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ دنیا کے مشہور مصنفین یورپ مثلاً ٹالسٹوائے، ترگنیف اور رومین رولینڈ کی تصانیف کے مکمل ترجمے موجود تھے"۔

جاپانی زبان کا باب بہت دلچسپ ہے اور اس سے بالکل نئی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس زبان کی حقیقت

اب تک سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن قابل مؤلف نے بڑی خوبی اور صفائی سے اس کی حقیقت اور ساخت کو بتایا ہے۔

کتاب کے باقی حصہ میں جو نصف حصے سے زیادہ ہے، جاپان کی تعلیم پر بحث ہے جس میں تعلیم کے تمام شعبوں کا مفصل ذکر ہے۔ اور تفہیم کے لیے متعدد نقشے اور گوشوارے دیے ہیں۔ نیز سررشتہ تعلیم اور مقامی حکومت کے اجزائے ترکیبی، ان کا باہمی تعلق، اساتذہ کی تنخواہوں، معائنہ کے طریقوں، جبری تعلیم اور نصاب تعلیم وغیرہ کی تفصیل بیان کی ہے۔ نصاب تعلیم ابتدائی جماعتوں سے لیکر یونیورسٹی کے درجوں تک کا دیا ہے۔ جس سے ہمیں اپنی تعلیم کی اصلاح میں بہت کچھ مدد مل سکتی ہے۔ خصوصاً اُن لوگوں کو بہ ضرور پڑھنا چاہیے جو ملک میں قومی مدارس قائم کر رہے ہیں جن لوگوں کو ملک کی تعلیم سے دلچسپی ہے انہیں اس حصے کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

آخر میں قابل مؤلف نے اس رپورٹ سے خاص نتیجے اخذ کیے ہیں اور اُن تجاویز کو پیش کیا ہے جن پر عمل کرنے سے ریاست حیدرآباد میں علم و تعلیم کی اشاعت میں زیادہ ترقی ہو سکتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تجاویز پر کیا کارروائی ہوتی ہے اور اس قدر محنت جو قابل مؤلف نے برداشت کی ہے اس کا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

ہم نواب مسعود جنگ بہادر کو مبارک باد دیتے ہیں کہ انھوں نے ملک کے لیے عموماً اور حیدرآباد کے لیے خصوصاً جاپان کے معلومات اور تعلیمی نظم و نسق پر ایک ایسی اچھی کتاب تالیف کی ہے جو مدت تک کارآمد رہے گی اور لوگ اس سے استفادہ کریں گے۔

کتاب مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ کے مطبع میں چھپی ہے اور حسن کتابت اور چھپائی کی خوبی کے لیے اسی قدر کہہ دینا کافی ہے۔ کتاب کے کل صفحے ۲۰۲ ہیں اور انجمن ترقی اردو سے مجلد ۳ کلدار میں مل سکتی ہے۔

مرقع آصفی یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت رسالہ اختر حسین صاحب فاروقی طالب علم نظام کالج کا مرتب کردہ ہے۔ جس میں اُنھوں نے صاف اور سلیس اُردو میں تاجدارانِ دکن کے حالات درج کیے ہیں شروع میں ممالک محروسہ سرکار عالی کا ایک نقشہ بھی درج ہے۔ طالب علموں اور لڑکے لڑکیوں کے پڑھنے کی بہت اچھی کتاب ہے۔ فاروقی سلمہ بہت ہونہار معلوم ہوتے ہیں اور ان میں ادب کا ذوق پایا جاتا ہے۔

کتاب کی چھپائی لکھائی بہت اچھی ہے۔ مؤلف سے عصہ میں مل سکتی ہے۔

جدید رسالے

ندائے اسلام یہ پندرہ روزہ رسالہ ہی جو دائرہ علمیہ الامان دہلی سے شایع ہوتا ہے۔ زیادہ تر مضامین اسلام اور اہل اسلام پر ہوتے ہیں۔ علاوہ اس کے دوسرے مذاہب کے متعلق مناظرہ کے طرز پر کچھ کچھ مضمون درج کیے جاتے ہیں۔ کبھی کبھی سیاسی مضامین پر بھی طبع آزمائی کی جاتی ہے۔

اڈیٹر مولوی محمد مظہر الدین صاحب اڈیٹر الامان ہیں۔ سالانہ چندہ چار روپیہ ہے۔

الفیض یہ ماہانہ رسالہ امرت سر سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کے اڈیٹر محمد سلیمان صاحب بی۔ اے۔ اور ابو البیاں محمد داؤد صاحب پسروری ہیں۔ اس رسالے کے مضامین مذہب اسلام سے متعلق ہوتے ہیں۔ سالانہ چندہ تین روپیے ہے۔

مطبوعاتِ انجمن

تذکرہ شعرائے اردو - مؤلفہ میر حسن دہلوی - میر حسن کے نام سے کون واقف نہیں - ان کی مثنوی بدر منیر کو جو قبول عام نصیب ہوا شاید ہی اردو کی کتاب کو نصیب ہوا ہو یہ تذکرہ اسی مقبول اور نامور استاد کی تالیف ہے - یہ کتاب بالکل نایاب تھی بڑی کوشش سے بہم پہونچا کر طبع کی گئی ہے میر صاحب کا نام اس تذکرہ کی کافی شہادت ہے اس پر مولنا محمد حبیب الرحمن خاں صاحب شروانی نے ایک بسیط نقادانہ اور عالمانہ تبصرہ لکھا ہے جو قابل پڑھنے کے ہے

قیمت فی جلد مجلد عہ کلدار غیر مجلد عہ کلدار

تاریخ تمدن سر ٹامس بکل کی شہرہ آفاق کتاب کا ترجمہ ہے الف سے ی تک تمدن کے ہر مسئلہ پر کمال جامعیت سے بحث کی گئی ہے اور ہر اصول کی تائید میں تاریخی اسناد سے کام لیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے معلومات میں انقلاب اور ذہن میں وسعت پیدا ہوتی ہے حصہ اول غیر مجلد عہ مجلد عکہ حصہ دوم مجلد عہ کلدار

مقدمات الطبیعات - یہ ترجمہ ہے مگر انگلستان کے مشہور سائنس داں حکیم ہکسلے کی کتاب کا جس کا نام کتاب کی کافی ضمانت ہے - اس میں بظاہر فطرت کی بحث درج ہے لیکن کتاب علم و فضل کا مرقع ہے قیمت غیر مجلد عسا کلدار مجلد عکہ کلدار

القول الاظہر - امام ابن مسکویہ کی معرکۃ الآرا تصنیف فوز الاصغر کا یہ اردو ترجمہ ہے یہ کتاب فلسفۃ الہین کے اصول پر لکھی گئی ہے اور مذہب اسلام پر انہیں اصول کو منطبق کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد ۸ کلدار مجلد عہ کلدار

القمر - قوانین حرکت و سکون اور نظام شمسی کی صراحت کے بعد چاند کے متعلق جو جدید انکشافات ہوئے ہیں ان سب کو جمع کر دیا ہے طرز بیان دلچسپ اور کتاب ایک نعمت ہے - قیمت غیر مجلد ۱۰ کلدار

قاعدہ و کلید قاعدہ - یہ قاعدہ مدت کے غور و خوض کے بعد اور بالکل جدید طرز پر لکھا گیا ہے جن اصول اور طریقہ پر اس کی تعلیم ہونی چاہیے ان کی تشریح کے لئے ایک کلید بھی تیار کی گئی ہے قاعدہ غیر مجلد ۲ کلدار کلید قاعدہ غیر مجلد عہ کلدار

فلسفۂ تعلیم - ہربرٹ اسپنسر کی مشہور تصنیف اور مسئلہ تعلیم کی آخری کتاب ہے غور و فکر کا بہترین کارنامہ والدین معلم کے لئے چراغ ہدایت ہے - تربیت کے قوانین کو اس قدر صحت کے ساتھ مرتب کیا ہے کہ کتاب الہامی معلوم ہوتی ہے اس کا نہ پڑھنا گناہ ہے قیمت مجلد (سے) کلدار غیر مجلد عہ کلدار

دریائے لطافت - ہندوستان کے مشہور سخن سنج

میر انشاء اللہ خاں کی تصنیف ہی اُردو صرف ونحو اور محاورات
اور الفاظ کی پہلی کتاب ہی اس میں زبان کے متعلق
بعض عجیب و غریب نکات درج ہیں قیمت غیر مجلد عہ کلدار مجلد عنا کلدار

طبقات الارض۔ اس فن کی پہلی کتاب ہی تین سو
صفحوں میں تقریباً جملہ مسائل قلمبند کئے ہیں کتاب کے آخر میں انگریزی
مصطلحات اور اُن کے مرادفات کی فہرست بھی منسلک ہے
قیمت غیر مجلد عا کلدار۔ مجلد عہا کلدار

مشاہیر یونان و روما۔ ترجمہ ہی سیرت نگاری اور
انشا پردازی میں اصل کتاب کا مرتبہ دو ہزار برس سی آج تک
مسلم الثبوت چلا آتا ہی! دیبان عالم بلکہ شکسپیر تک نے اس چشمہ سے
فیض حاصل کیا ہی۔ وطن پرستی اور بے نفسی عزم جواں مردی
کی مثالوں سی اس کا ہر ایک صفحہ معمور ہی قیمت جلد اول غیر مجلد
(سے) کلدار مجلد للعہ کلدار جلد دوم غیر مجلد عا کلدار مجلد سے کلدار

اسباق النحو۔ ملک کے ادیب کامل مولانا حمید الدین صاحب
بی اے کی تالیف ہے اختصار کے باوجود عربی صرف ونحو کا ہر ایک
ضروری مسئلہ درج ہی قیمت حصہ اول غیر مجلد ۸ کلدار حصہ دوم غیر مجلد ۱۲ کلدار

علم المعیشت۔ اس کتاب کی تصنیف سے پروفیسر محمد الیاس
صاحب برنی ایم اے نے ملک پر بہت بڑا احسان کیا ہی معیشت پر
یہ کتاب جامع و مانع ہی مبہم و مشکل مسائل کو پانی کر دیا ہی اس کے
اکثر باب نہایت عجیب و غریب ہیں۔ اشتراکیت کا باب
قابل دید ہی حجم ۵۰۸ صفحے قیمت مجلد صہ کلدار۔

تاریخ اخلاق یورپ۔ اصل مصنف پروفیسر لیکی کا نام
علم و تبحر تحقیق صداقت کا مرادف ہی یہ کتاب کئی ہزار برس
کے تمدن، معاشرت، اصول، اخلاق مذاہب و خیالات
کا مرقع ہی حصہ اول مجلد (سے) حصہ دوم مجلد عا کلدار

تاریخ یونان قدیم۔ یہ کتاب مطالب کے لحاظ سے مستند
کتابوں کا خلاصہ ہی اور زبان کے لحاظ سے سلاست و
شگفتگی کا نمونہ اس کا نقطۂ خیال خالصاً ہندوستانی ہی
ایف اے کلاس کے طلبا جو یونان قدیم کی تاریخ سی گھبراتے ہیں
اس کتاب کو انتہا درجہ مفید پائینگے قیمت مجلد عا کلدار

انتخاب کلام میر۔ میر تقی میر تاج شعرائے اُردو کے
کلام کا انتخاب ہی مولوی عبد الحق صاحب سکرٹری انجمن
ترقی اُردو نے یہ انتخاب ایک مدت کی سعی و محنت کے بعد
کیا ہی اور شروع میں میر صاحب کی خصوصیات شاعری پر
۴۰ صفحہ کا ایک عالمانہ مقدمہ بھی لکھا ہی قیمت مجلد عا کلدار

رسالہ نباتات۔ اس موضوع کا پہلا رسالہ ہے علمی
اصطلاحات سے معرا، سلاست و روانی سی مملو اور دلچسپ
و مفید ہی۔ طلبا نباتات جس مسئلہ کو انگریزی میں نہ سمجھ سکیں
وہ اس رسالہ میں مطالعہ کریں قیمت مجلد عہ کلدار

دیباچہ صحت۔ اس کتاب میں مطالبات صحت پر
(مثلاً ہوا، پانی، غذا، لباس، مکان وغیرہ) مبسوط اور دلچسپ
بحث کی گئی ہی۔ زبان عام فہم اور پیرایہ موثر و دلپذیر ہے

ملک کی بہترین تصنیف ہے اس کا مطالعہ کئی ہزار نسخوں سے زیادہ قیمتی ثابت ہوگا۔ حجم ایک ہزار صفحے قیمت مجلد للعہ،

قواعد اُردو۔ ارباب فن کا اتفاق ہے کہ اُردو زبان میں اس سے بہتر قواعد نہیں لکھے گئے۔ بسط و شرح کے علاوہ اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ فارسی قواعد کا تتبع نہیں کیا گیا ہے قیمت غیر مجلد ۲ کلدار

نکات الشعرا۔ یہ اُردو کا تذکرہ اُستاد الشعرا میر تقی مرحوم کی تالیفات سے ہے اس میں بعض ایسے شعرا کے حالات بھی ملینگے جو عام طور پر معروف نہیں۔ نیز میر صاحب کی رائیں اور زبان کے بعض بعض نکات پڑھنے کے قابل ہیں مولانا محمد حبیب الرحمٰن خان صاحب شروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار عالی نے اس پر ایک نادر اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے۔ قیمت مجلد ۱؎ کلدار

فلسفۂ جذبات۔ کتاب کا مصنف ہندوستان کا مشہور نفسی ہے۔ جذبات کے علاوہ نفس کی ہر ایک کیفیت پر نہایت لیاقت اور زباں آوری کے ساتھ بحث کی گئی ہے متعلمان نفسیات اسے مفید پائینگے۔ قیمت مجلد ۲؎ کلدار غیر مجلد ۱؎ کلدار

وضع اصطلاحات۔ یہ کتاب ملک کے نامور انشا پرداز اور عالم مولوی وحید الدین سلیم (پروفیسر عثمانیہ کالج) نے سالہا سال کے غور و فکر اور مطالعہ کے بعد تالیف کی ہے بقول فاضل مولف "یہ بالکل نیا موضوع ہے۔ میرے علم میں شاید کوئی ایسی کتاب نہ آج تک یورپ کی کسی زبان میں لکھی گئی ہے نہ ایشیا کی کسی زبان میں" اس میں وضع اصطلاحات کے ہر پہلو پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور اس کے اصول قائم کئے گئے ہیں مخالف موافق رایوں کی تنقید کی گئی ہے اور زبان کی ساخت اور اُس کے عناصر ترکیبی مفرد و مرکب اصطلاحات کے طریقے سابقوں اور لاحقوں اردو مصادر اور ان کے مشتقات۔ غرض سینکڑوں دلچسپ اور علمی بحثیں زبان کے متعلق آگئی ہیں۔ اُردو میں بعض اور بھی ایسی کتابیں ہیں جن کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہے کہ زبان میں ان کی نظیر نہیں لیکن اس کتاب نے زبان کی جڑیں مضبوط کر دی ہیں اور ہمارے حوصلہ بلند کر دئے ہیں اس سے پہلے ہم اُردو کو علمی زبان کہتے ہوئے جھجکتے اور اس کی آئندہ ترقی کے متعلق دعوی کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ مگر اس کتاب کے ہوتے یہ اندیشہ نہیں رہا اس نے حقیقت کا ایک نیا باب ہماری آنکھوں کے سامنے کھول دیا ہے تعداد صفحات ۴۵۰ قیمت مجلد ۱۲؎ کلدار

نفح الطیب۔ یہ کتاب اسلامی عہد کی تاریخ اسپین کے معلومات کا خزانہ ہے۔ خلافت اسپین کے ہر مورخ کو اس کی خوشہ چینی کرنی پڑی ہے۔ علامہ مقریزی کی نامور اور مشہور آفاق کتاب ہے جو پہلی دفعہ اُردو میں ترجمہ ہوئی ہے یہ کتاب عثمانیہ یونیورسٹی کے نصاب میں بھی داخل ہے صفحات ہ۔ قیمت مجلد ۳؎ کلدار

محاسن کلام غالب۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری مرحوم کا معرکۃ الآرا مضمون ہے اُردو زبان میں یہ پہلی تحریر ہے جو اس شان کی لکھی گئی ہے۔ یہ مضمون اردو کے پہلے نمبر میں طبع ہوا تھا صاحب نظر قدر دانوں کے اصرار سے الگ بھی طبع کیا گیا ہے۔ قیمت غیر مجلد ۱۲؎ کلدار

دیوان غالب جدید و قدیم - یہ وہ نایاب کلام ہے جس کی اشاعت کا اہل ملک کو بیحد انتظار تھا۔ اس میں میرزا غالب کا قدیم و جدید تمام کلام موجود ہی۔ میر صاحب کے قدیم کلام ملنے کی کسے توقع تھی یہ محض حسن اتفاق تھا کہ ہاتھ آگیا اور اب ریاست بھوپال کی سرپرستی میں چھپکر شائع ہوا ہی۔ مع مقدمہ ڈاکٹر عبد الرحمن مجلد صہ کلدار غیر مجلد للعہ کلدار (بلا مقدمہ مجلد بے کلدار غیر مجلد عا کلدار)

ملل قدیمہ - ایک فرانسیسی کتاب کا ترجمہ ہی اس میں بعض قدیم اقوام سلطنت کلدانی آشوری بابل بنی اسرائیل و فنیقیہ کی معاشرت، عقائد، صنعت و حرفت وغیرہ کے حالات دلچسپی اور خوبی کے ساتھ دئے ہیں۔ اردو میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس سے ان قدیم اقوام کے حالات صحیح طور سے معلوم ہو سکیں اس لئے انجمن نے اسے خاص طور پر طبع کرایا ہی حالات کی وضاحت کے لئے جا بجا تصویریں دی گئی ہیں صفحہ ۲۸۰ قیمت مجلد ہے کلدار

بجلی کے کرشمے - یہ کتاب مولوی محمد مشتوق حسین خاں صاحب بی اے نے مختلف انگریزی کتابوں کے مطالعہ کے بعد لکھی ہی برقیات پر یہ ابتدائی کتاب ہی اور سہل زبان میں لکھی ہی ہمارے بہت سے ہموطن یہ نہیں جانتے کہ بجلی کیا چیز ہی۔ کہاں سے آتی ہی کیا کام آسکتی ہی یہ کتاب ان تمام معلومات کو بتاتی ہی لڑکے لڑکیوں کے لئے بھی مفید ہی قیمت عہ کلدار

دار المصنفین اعظم گڑھ کی حسب ذیل کتابیں بھی انجمن ترقی اورنگ آباد سے مل سکتی ہیں

سیرۃ النبی حصہ اول (غیر مجلد) - - للعہ کلدار	انقلاب الامم (غیر مجلد) - - - - عہ کلدار
سیرۃ النبی حصہ دوم - - " - - - بے کلدار	برکلے - - - - " - - - - - عہ کلدار
شعر العجم مکمل ۵ حصے " - - - سے کلدار	مکالمات برکلے - - " - - - - عہ کلدار
سفرنامہ مولانا شبلی - - " - - - عا کلدار	مثنوی بحر المحبت - - " - - - - ۱۲ر کلدار
علم الکلام - - - - - - عہ کلدار	تفسیر ابو مسلم اصفہانی - - " - - - - عہ کلدار
الکلام - - - - " - - - - عہ کلدار	سیر الصحابیات - - - " - - - - لہ کلدار
کلیات شبلی - - - " - - - - یہ کلدار	روح الاجتماع - - - " - - - - عہ کلدار
اسوۂ صحابہ مکمل - - " - - - سے کلدار	

ملنے کا پتہ: صدر دفتر انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد دکن

اُردو

۱۔ یہ انجمن ترقی اُردو کا سہ ماہی رسالہ ہے جو جنوری، اپریل، جولائی، اکتوبر کے پہلے ہفتے میں شایع ہوا کریگا۔

۲۔ یہ خالص ادبی رسالہ ہے جس میں زبان اور ادب کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں پر بحث ہوگی۔ حجم کم از کم ایک سو پچاس اور زیادہ سے زیادہ دو سو صفحے ہوگا۔

۳۔ قیمت سالانہ ۶ روپے محصول ڈاک سالانہ عہ فیس رجسٹری سالانہ ۸ر اور صرفہ بندش سالانہ ہر جملہ ۸ روپے کلدار (قیمت سالانہ ۷ روپے سکۂ عثمانیہ محصول ڈاک سالانہ عہ فیس جسٹری سالانہ ۸ر اور صرفہ بندش سالانہ ہر جملہ ۹ روپے سکۂ عثمانیہ)

۴۔ تمام خط وکتابت :۔ آنریری سکرٹری انجمن ترقی اُردو، و اڈیٹر اُردو اورنگ آباد (دکن) سے ہونی چاہیے۔

(باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ میں چھپا اور دفتر انجمن ترقی اُردو سے شایع ہوا)

ع ۔ ۲

حصہ 15 U 3877 ۹۱

رسالہ اردو بابتہ ماہ جولائی سنہ ۱۹۲۴ء

۵۱۹

P 335